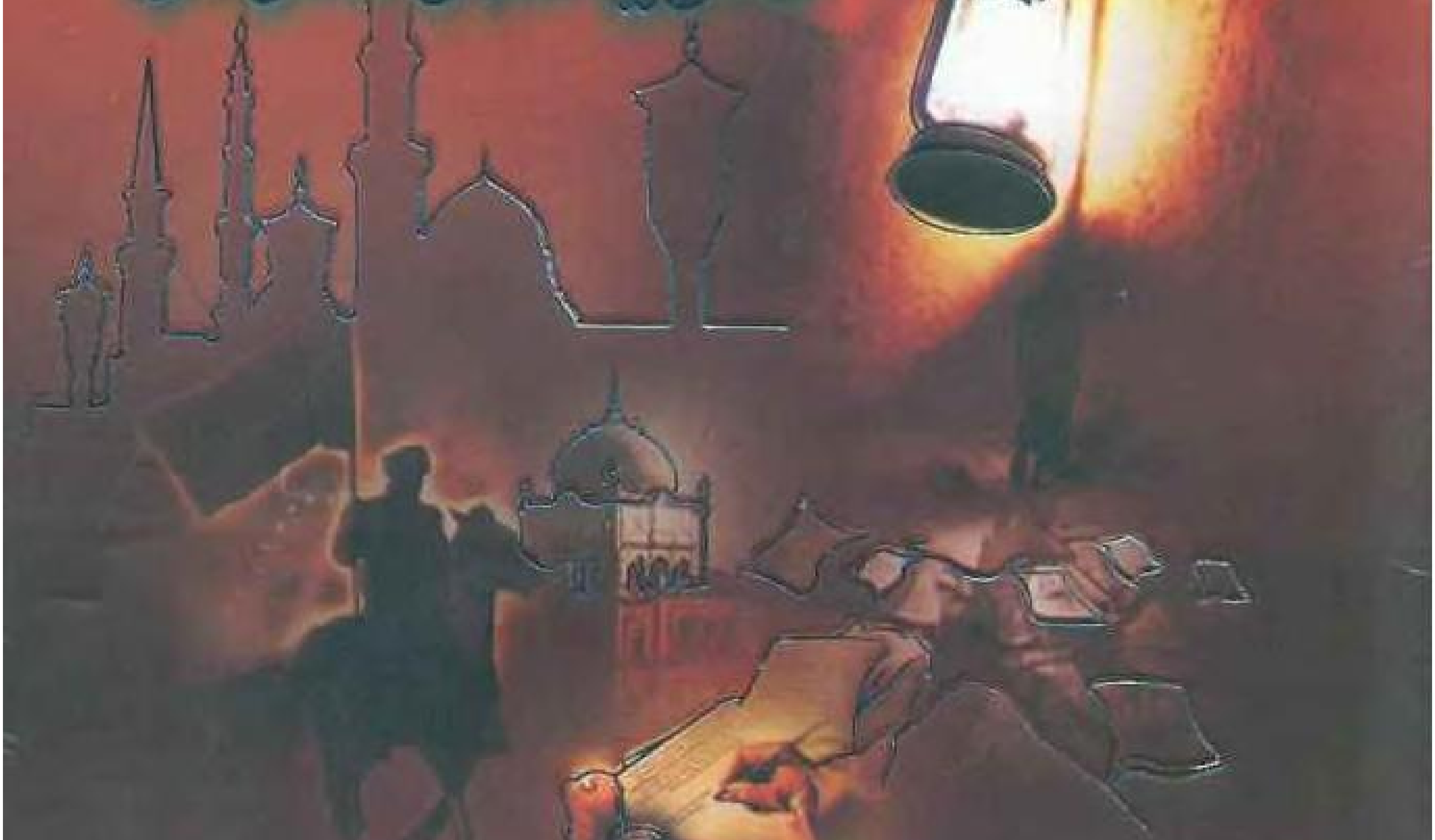
احسن البرہان

جلد دوم

فی

اقوال شیخنا مولانا مفتی محمد زر ولی خان



ضبط و ترتیب

محمد ہمایوں مغل

الجامعۃ العربیۃ احسن العلوم

گلشن اقبال بلاک نمبر ۲ کراچی پاکستان

شیخ الحدیث والتفسیر مولانا مفتی

محمد زرولی خان

دامت برکاتہم العالیہ

احسن البرہان

فی

اقوال شیخنا مولانا مفتی محمد زرولی خان ؒ

ضبط وترتیب

محمد ہمایوں مغل

جلد دوم

الجامعۃ العربیۃ احسن العلوم

گلشن اقبال بلاک نمبر ۲ کراچی پاکستان

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا مفتی محمد زرولی خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ

کی سوانح حیات

ابتدائی حالات

اس عاجز وفقیر کا تولد غالباً ۱۹۵۳ء کے کسی ماہ وتاریخ کو جہانگیرہ میں ہوا ہے۔ علاقائی رسم ورواج کے مطابق باقاعدہ تاریخ ولادت کے رواج نہ ہونے کی وجہ سے متعین دن اور مہینہ نہیں بتایا جا سکتا، تاہم آس پاس کے قرائن اور احوال اور اوائل تعلیم وتعلم اور اسکول وغیرہ کی مناسبت سے یہی سال معلوم ہوتا ہے۔ والد صاحب کا نام محمد عاقل اور دادا کا نام عمر دین تھا، خاندانی پیشہ باغبانی رہا ہے، آباؤ اجداد کا شغل زراعت تھا۔ حسن اتفاق سے دنیائے حدیث کے مقتدر امام، امام ترمذیؒ بھی بوغی تھے جو کہ باغبانی کے معنی میں آتا ہے (بوستان المحدثین)

والدہ صاحبہ کا تذکرہ

والدہ صاحبہ علاقہ کے مشہور عالم استاد الکل فی الکل حضرت مولانا فضل علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ امام وخطیب جامع مسجد خانخیل جیسے یگانہ روزگار سے بارہ سال وہاں کا رائج علمی نصاب پڑھ چکی تھیں۔ والدہ صاحبہ کے علم اور پختگی کا اندازہ اس سے لگایا جائے کہ ہم سب بھائیوں کو جنازہ اور اس کی نیت عربی میں والدہ نے زبانی یاد کرائی تھی، جبکہ خاتون پر خود جنازہ نہیں ہے، حافظ قرآن نہ ہونے کے باوجود ہمہ وقت قرآن کا شغل تھا اور آس پاس قرآن کی تلاوت سن کر بغیر روک ٹوک کے تصحیح کے لئے آواز دیتی تھیں اور یہ اس قدر حیران کن اور پختگی کے ساتھ ہوتا تھا، جیسے وہ مطلوبہ آیت وسورت دیکھ کر بتاتی ہوں جبکہ یہ

ان کا عام معمول اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے تھا۔ والدہ صاحبہ جہانگیرہ کے علماء کبار کے تذکرے ایسی عظمت اور محبت سے فرماتیں کہ وہی علم دین پڑھنے کی رغبت وشوق کا اساس ثابت ہوا۔ حضرت اقدس مولانا لطف اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا عبدالحنان صاحب دامت برکاتھم کے تذکرے میں یہ ضرور فرماتیں تھیں کہ وہ دیوبند پاس ہیں اور یہ اس شان واحترام سے فرماتی تھیں جیسے آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر اس سے بڑی عزت اور شرافت کوئی اور نہیں، یوں دیوبند کے علماء اور خود دیوبندیت سے عقیدت ومحبت خون اور فطرت میں شامل ہوگئی" والحمدللہ علی ذالک "۔ دینی مسائل اس قوت کے ساتھ یاد ہوتے تھے کہ اس کا اندازہ ایک واقعہ سے لگایا جائے۔ مشہور زمانہ عالم شیخ القرآن مولانا طاہر صاحب پنج پیر رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء کرام کا ڈپٹی کمشنر کی موجودگی میں مناظرہ ہوا، والد صاحب نے گھر آکر سنایا۔ والدہ نے پوچھا کہ پنج پیر مولانا کیا فرماتے ہیں، یعنی کس مسئلہ پر مناظرہ ہوا والد صاحب نے فرمایا کہ پنج پیر مولانا مُردوں کے پیچھے خیر خیرات کرنے سے منع کرتے ہیں کہ ہر شخص کو اپنا عمل کام آئے گا۔ والدہ نے فوراً رشید البیان کا شعر پڑھا اور فرمایا کہ یہ عالم بالکل غلط کہتا ہے۔

چه خیرات وریسے کی گی بر مرده تاور رسیگی
ثوک چه وائی نه رسی گی دغه کفر تاخوئی گی

یعنی مرحوم کے لئے ایصال ثواب درست ہے اور اس کا انکار کرنا غلط ہے بعد میں امام اہل سنت ابوالمظفر ابواسحاق اسفرائینی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اکابر متکلمین کے کلام میں دیکھا کہ واقعی ایصال ثواب کا انکار سوائے معتزلہ اور خوارج کے کسی اسلامی فرقے نے نہیں

کیا ہے، تفصیلات کے لئے شرح المواقف اور شرح المقاصد اور اصول فخری وغیرہ قابل دید ہیں۔ (واضح رہے کہ پنج پیر مولانا کے بارے میں اس قسم کے مسائل مشہور تھے بعد میں حضرت کی جملہ تصنیفات اور ان کے دورہ تفسیر کے کل ۸۸ کیسٹس سننے سے پتہ چلا کہ اہل سنت والجماعت اور دیوبندی نظریات کے سخت پابند اور بڑی قوت سے اس کے عالم اور عامل تھے)۔

برا ہو اختلافات کا کہ کیسے کیسے الزامات اور تہمتیں پراپیگنڈہ کی شکل اختیار کر لیتی ہیں، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت کی تحریک میں شدت یا بعض مسائل پر ان کی یکطرفہ مؤقف اختیار کرنے میں حدود اعتدال سے تجاوز ہو چکا ہے۔

ناظرہ قرآن کریم ایک بزرگ معلم ماسٹر رحیم اللہ صاحب سے پڑھا تھا جو کہ غالباً اسکول میں حضرت الاستاذ مولانا لطف اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حاجی سیف الرحمٰن اور استاد گرامی قدر مولانا عبدالحنان صاحب مدظلہ کے استاذ رہ چکے تھے۔ ماسٹر رحیم اللہ صاحب بہت طویل عمر کے مالک تھے اور بہت بعد میں انتقال فرما گئے۔

استانی صاحبہ کا تذکرہ

نہایت متدین اور احتیاط دین کا نمونہ تھیں ماسٹر صاحب کی اہلیہ اپنے زمانہ کی بی بی مریم تھیں، ہندوستان سے مہاجر تھیں، بڑی مشکلات سے پشتو زبان سیکھی تھی، سوڈیڑھ سو بچیوں کو ماسٹر صاحب کی نیابت میں اپنے گھر پر بغیر کسی معاوضہ کے قرآن شریف پڑھاتی تھیں اور ہر بچہ اور بچی کو سبق پڑھاتے ہوئے یا ان کا سبق سنتے ہوئے استانی صاحبہ کے چہرے پر آنسوؤں کی بارش رہتی تھی۔ یوں صبح سے شام تک بچوں اور بچیوں کے اسباق اور

گھریلو کام کاج اور چہرے پر معصومانہ اور خوف خدا کا مظہر آنسوؤں کا سیلاب امڈا رہتا تھا۔ ہم حیران تھے کہ یہ اتنا روتی کیوں ہیں، استاذ صاحب سے پتہ چلا کہ انہوں نے قرآن شریف بہت مشکلات سے پڑھا ہے اور خدا کی کتاب سے کامل عقیدت کی وجہ سے سبق پڑھاتے ہوئے یا بچوں سے سنتے ہوئے وہ وقت وگرانیاں یاد آتی ہیں جو برسات غم کا باعث ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا احسان الحق (صاحب حق) صاحب کا تذکرہ

محلہ کی جامع مسجد میں حضرت مولانا احسان الحق صاحب المعروف بہ صاحب حق صاحب جو شیخ الکل فی الکل حضرت مولانا فضل علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے تھے ،موصوف اپنے والد کی طرح علوم کے شناور تو نہ تھے مگر جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک اور استاد گرامی قدر مولانا لطف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ضروری اسباق پڑھ چکے تھے۔ دیوبند بھی جانا ہوا تھا لیکن اس میں کامیابی نہیں ہوئی جس کی داستان درد و غم کی ہے۔ موصوف نہایت ہی خوش الحان تھے، نماز فجر کی اذان اہتمام کے ساتھ آپ خود دیا کرتے تھے اور اکثر نمازوں کی قرأت بھی سننے کی ہوتی تھی، تجوید و قرأت کے مسائل و آداب سے بلند و برتر یہ صوت جمیل اپنی نظیر آپ تھی، موصوف تقریر کے دوران بعض آیات یا شعر ایسے لہجے میں پڑھ لیتے تھے کہ ساری مجلس پر غیر معمولی اثر اور رقت طاری ہو جاتی تھی۔ میں نے ان سے قرآن کریم سولہ پارے اور سترہویں پارہ سورۂ انبیاء کا پہلا رکوع ترجمہ کے ساتھ پڑھا تھا۔ موصوف اپنے والد کی مناسبت سے فارسیات میں کامل دسترس رکھتے تھے۔

میں نے فارسی کی ابتدائی مشہور کتاب پنج گنج فقہ میں خلاصۂ کیدانی اور قدروی حصہ اول انہی سے پڑھ چکا تھا۔ موصوف کی ایک بڑی بہن تھی جو گھر پر غیر شادی شدہ، اعلیٰ درجہ کی عفت و پاکدامنی کی مظہر تھیں، وہ علوم میں اپنے والد سے پوری پڑھی ہوئی تھیں۔ اوائل میں صاحب حق صاحب کو جمعہ اور عید کے خطبے وہی یاد کراتی تھیں، موصوفہ بعض اوقات مولانا موصوف کے مواعظ اور خطبے سن کر رد و قدح فرماتی تھیں، میری والدہ ماجدہ فرمایا کرتی تھیں کہ کاش کہ استاد صاحب کی یہ بیٹی استاد صاحب کا بیٹا ہوتا تو کامل و اکمل جانشین ہوتی،

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

تذکرہ مولانا عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اس عاجز نے نور الایضاح جو ہمارے زمانہ میں نئی نئی مصر سے پاکستان اور صوبہ سرحد جہانگیرہ آچکی تھی، وقت کے بزرگ اور کامل استاذ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ محلہ اعوان سے پڑھنا شروع کیا تھا "زلت القاری" تک پڑھ چکا تھا کہ موصوف بیمار ہوئے اور وہی بیماری موت کا سبب بن گئی۔ حضرت والا جہانگیرہ کے قدیم علمی گھرانوں کے چشم و چراغ تھے، عرصۂ دراز تک ہندوستان میں مدرسہ عبدالرب اور فتح پوری کے مدرسوں میں تحصیل علم کرتے رہے، غالباً فراغت مدرسہ رحیمیہ دہلی سے تھی جو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں قائم

ہوا تھا۔ مولانا عبداللطیف صاحب مرحوم فقہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے، علم الفرائض (میراث کے مسائل) میں امامت کا درجہ حاصل تھا جس کے متعدد واقعات فقیر کو یاد ہیں۔ موصوف کی طالب علمی کا دور اور حضرت الاستاذ مولانا عبدالحنان صاحب مدظلہ کی طالب علمی کا زمانہ دیوبند میں قریب قریب تھا، زمانہ طالب علمی میں دہلی میں ملاقاتیں بھی رہی ہیں۔ غالباً مولانا عبداللطیف صاحب مرحوم عمر میں کچھ بڑے بھی تھے۔ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد بلکہ ان کی بیماری میں ہی میں نے حضرت الاستاذ حضرت مولانا عبدالحنان صاحب مدظلہ سے رجوع کرلیا تھا۔

تذکرہ فخر سرحد حضرت الاستاذ مولانا عبدالحنان صاحب مدظلہ العالی

موصوف علم و عمل کے پیکر، کردار و گفتار کے جامع، اللہ کے فضل سے گھر سے خاصے متمول اور دارالعلوم دیوبند کے قدماء فضلاء جنہوں نے شیخ الاسلام شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ جیسے عمائدین سے ۱۹۳۴ء اور ۱۹۳۵ء کے آس پاس دورۂ حدیث مکمل کر کے اعلیٰ نمبروں میں فراغت اور فضیلت حاصل کی تھی۔ موصوف زمانہ طالب علمی سے تمام علوم وفنون میں کامل استعداد رکھتے تھے، باوجود یہ کہ کسی مدرسہ یا دارالعلوم میں باقاعدہ مدرس نہیں رہے لیکن فراغت سے لیکر تادم تحریر جس نے جس کتاب کے پڑھانے کے لئے کہا حضرت نے بڑی خوش دلی سے اور سخاء قلب کے ساتھ اسے مستفید و مستنیر فرمایا ہے۔

آپ جمعیت علماء اسلام جو اہل حق کی واحد سیاسی جماعت ہے کے قدیم وفادار

اور بطل حریت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ اور مفکر اسلام فقیہ دوراں محدث ومفسر اعلیٰ آیت من آیت اللہ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے معتمد خاص رہے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے زمانہ میں بعض اسباق میں برکت سرحد شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکوڑہ خٹک کے ہم سبق رہے ہیں، مولانا عبدالحق صاحب اپنے زمانہ میں بے مثال عالم باعمل تھے، آپ کی کرامات اور فیوض وبرکات دیدنی تھی۔ ایشیا، کا مقتدر ادارہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک آپ کی زندہ تابندہ کرامت اور بہترین صدقہ جاریہ ہے مولانا موصوف ہمارے حضرت والا کے بہنوئی تھے۔ گویا زعیم ملت حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ استاد گرامی قدر مولانا عبدالحنان صاحب کے سگے اور سچے بھانجے ہیں۔

حضرت مولانا عبدالحنان صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں اس عاجز نے تقریباً تین سال کسب فیض کیا ہے۔ اس دوران صرف ونحو منطق اور ترجمہ قرآن دو مرتبہ اور فارسی میں گلستان حضرت ہی سے پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ حضرت صاحب کے بے مثال تقویٰ اور خلوص تدریس اور کامیاب سلیقہ اور دارالعلوم دیوبند کی مبارک نسبت کی وجہ سے آپ سے پڑھنے میں بڑی سہولت ہوئی اور میٹرک کے ساتھ ساتھ حضرت کے یہاں کافیہ تک اور صرف میں فصول اکبری اور شافیہ تک اور منطق میں تہذیب اور بدیع المیزان تک اور فقہ میں شرح الوقایہ اولین اور آخرین تک پڑھنا نصیب ہوا۔ حضرت نے مفید الطالبین مجھے پڑھائی جو ادب کی ابتدائی کتاب تو نہیں لیکن ابتدائی چٹ پٹے اور ظرافت کی حامل کتاب ضرور ہے، مفید الطالبین ختم ہونے کے بعد حضرت اپنے گھر سے نفحۃ الیمن لے آئے جو حضرت والا کو دارالعلوم دیوبند میں کسی امتحان میں امتیازی نمبروں میں

پاس ہونے کے انعام میں ملی تھی (نفحۃ الیمن مدرسہ عالیہ کلکتہ میں انگریزوں کی نگرانی میں چلنے والے مدرسہ میں لکھی گئی تھی اس کی ادبیت اور نظم ونسق معیاری ہے بعد میں دارالعلوم دیوبند نے اس کے مقابلے میں نفحۃ العرب مولانا اعزاز علی صاحب سے لکھوائی) اگرچہ نفحۃ العرب کتاب دین ہونے کے علاوہ معیار علم وادب میں نفحۃ الیمن کے پائے کی ثابت نہ ہوسکی البتہ دارالعلوم دیوبند کی حقانیت کی برکت سے وہ شامل درس رہی جبکہ نفحۃ الیمن کو مخصوص علمی حلقوں کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

داد اورا قابلیت شرط نیست
بلکہ شرط قابلیت داد اوست

بہرحال نفحۃ الیمن لاکر حضرت الاستاذ نے فرمایا کہ اگرچہ ہمارے اور حضرت مولانا لطف اللہ صاحب کے درمیان کچھ علاقائی اور سیاسی چپقلش رہتی ہے مگر حضرت مولانا لطف اللہ صاحب علم ادب اور تاریخ وتفسیر میں اس زمانہ کے امام ہیں۔لہٰذا آپ ان سے علم ادب میں رجوع کرلیں،مفید الطالبین کے بعد بقیہ کتب ادب حضرت نے حضرت اقدس مولانا لطف اللہ صاحب سے پڑھنے کے لئے فرمایا۔

امام التاریخ حضرت مولانا لطف اللہ صاحب کی خدمت میں میری حاضری

حضرت نے نفحۃ الیمن دے کر حکم دیا کہ ظہر کی نماز میں حضرت مولانا لطف اللہ صاحب کی مسجد میں آؤ اور ان سے پڑھنا شروع کرو،میں جب وہاں پہنچا تو کچھ دیر گزرنے کے بعد حضرت الاستاذ مولانا عبدالحنان صاحب بھی وہیں تشریف لائے،یہ آمد حضرت کی

کافی دیر بعد تھی (کیونکہ کچھ شکر رنجی سی رہی تھی)۔نماز ظہر حضرت الاستاذ مولانا لطف اللہ صاحب نے پڑھائی اور نماز کے بعد حضرت معمولات سے فارغ ہوئے تو حضرت مولانا عبدالحنان صاحب نے اس عاجز کو اشارہ کیا کہ کتاب لے کر حضرت کے پاس جاؤ میں کتاب لے کر حضرت اقدس کی خدمت میں جا بیٹھا اور میرے کچھ کہنے سے پہلے حضرت الاستاذ مولانا عبدالحنان صاحب نے فرمایا کہ حضرت یہ پڑھنے والا لڑکا ہے میں نے کچھ مبادی پڑھائے ہیں اب اس قابل ہوا کہ آپ کے سامنے بیٹھ سکے۔اسکول پڑھ رہا ہے اور اعلیٰ نمبروں سے پاس ہوتا ہے اور اپنے دین کا پورا پابند اور باذوق ہے،غریب گھرانے سے ہونے کے باوجود طلب علمی میں خوب ذوق وشوق رکھتا ہے،حضرت اقدس نے حضرت کے جملوں پر بغیر کچھ فرمائے خوشی کا اظہار فرمایا جو حضرت کے منور چہرے پر علمی تبسموں کے ایک موسم بہار کی طرح نمودار ہوا۔یوں حضرت الاستاذ مولانا عبدالحنان صاحب اٹھ کر چلے گئے اور میرا پہلا سبق جو تمام علوم فنون اور آگے مراحل دین کے لئے اساس اور اصل الاصل تھا وہ شروع ہوا۔

حضرت الاستاذ مولانا لطف اللہ صاحب نے نفحۃ الیمن کے ابتدائی اشعار میں ایک شعر کی تشریح میں اس عاجز سے سوال کیا جس پر اتفاقاً جواب درست منطبق ہوا۔حضرت بے انتہا خوش ہوئے اور فرمایا کہ میں اس دور کے بے ذوق لوگوں کو دیکھ کر پڑھانا چھوڑ چکا ہوں،لیکن آپ کا ذوق وشوق دیکھ کر شاید مجھے نئے سرے سے پہلے سے بڑھ کر پڑھانا ہوگا،یہ سن کر یہ عاجز وفقیر نہایت شرمندہ ہوا کیونکہ حضرت کا دینی ودنیاوی مقام بہت بڑا تھا اور ہماری حیثیت ان کے سامنے بحر بیکراں کے سامنے قطرہ اور گلزار

وہ دبستان کے سامنے شاخ بے ثمر کی سی تھی۔

حضرت والا سے کافیہ اور شرح وقایہ کی تکمیل علم معانی میں مشہور رسالہ "صمدیہ" اور نفحۃ الیمن مکمل اور نفحۃ العرب اور کفایۃ المتحفظ اور الطریف الادیب الظریف اور مقامات کے ابتدائی پانچ مقامے پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

آپ نفحۃ العرب کی عربیت پر ناراض رہتے تھے، آپ کو مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بالکل مناسبت نہ تھی، فرمایا کرتے تھے کہ یہ کتاب نہ لکھتے تو کم از کم دارالعلوم دیوبند اور شیخ الادب کا پردہ رہتا، کبھی فرماتے کوئی عرب دیکھ لے تو کیا سوچتا ہوگا، بہر حال نفحۃ العرب اللہ تعالیٰ کے یہاں سے قبولیت حاصل کر چکی ہے اور جس مقصد کے لئے لکھی گئی ہے یعنی نفحۃ الیمن کو میدان سے برطرف کرنا اس میں اللہ تعالیٰ نے سو فیصد کامیابی عطا فرمائی۔ باقی بزرگان دین کے ذوق و شوق مختلف ہیں۔

تذکرہ امام التاریخ حضرت مولانا لطف اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

استاذ گرامی مولانا لطف اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ امام العصر محدث کبیر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد تھے اور غالباً ۱۹۲۷ء میں شاہ صاحب سے دیوبند میں دورۂ حدیث مکمل کر کے ہر کتاب میں اول پوزیشن حاصل کی تھی۔

آپ محدث العالم شارح ترمذی علوم انور شاہ کے امین حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے تعلیم میں ایک سال آگے تھے، جس سال آپ دورۂ حدیث میں تھے، یہ سال حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا مشکوٰۃ وغیرہ کا سال تھا۔ اگلے سال مشہور زمانہ اسٹرائک

پیش آئی جس میں حضرت شاہ صاحب، مولانا شبیر احمد صاحب اور دارالعلوم دیوبند کے لائق اساتذہ کی ایک جماعت دارالعلوم دیوبند چھوڑ گئے، یہ حضرت بنوری صاحب کے دورۂ حدیث کا سال تھا۔ اس لئے حضرت الاستاذ مولانا لطف اللہ صاحب ایک سال قبل دورۂ حدیث حضرت شاہ صاحب سے دارالعلوم دیوبند میں پڑھ کر فراغت حاصل کر چکے تھے۔

بعد میں حضرت بنوری اور حضرت مولانا لطف اللہ صاحب پشاوری میں برسہا برس اکٹھے رہے اور پھر کراچی میں حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے جب جامع مسجد نیوٹاؤن سے متصل مدرسہ عربیہ اسلامیہ قائم کیا (حال جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن) اپنے دیگر قابل ساتھیوں کے ساتھ پہلا انتخاب اپنے مدرسے کی تدریس کے لئے حضرت بنوری نے حضرت مولانا لطف اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کیا۔ آپ اس کا ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ میں سات (۷) سال ساتھ رہا ہوں، سورۂ یوسف کی آیت سبع سنین داباً پڑھتے تھے۔ حضرت الاستاذ مولانا لطف اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بخاری شریف بہت سے لوگ پڑھاتے ہیں مگر بخاری کے لئے بخاری کی ٹکر کا عالم چاہیے اور وہ عالم اسلام میں صرف مولانا محمد یوسف بنوری ہیں، آپ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے گہرے دوست بقول استاد محترم مولانا مفتی احمد الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ یار غار اور یار غربت تھے۔ جب حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے مراحل حیات مصائب و شدائد اور علمی صلاحیتوں کا ذکر فرماتے تو آپ پر رقت طاری ہو جاتی تھی اور بہت کم ایسا ہوا کہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرے میں آپ آبدیدہ نہ ہوئے ہوں۔

عجیب بات دیکھی کہ حضرت علمی صلاحیت کے ساتھ ان کی طہارت و تقدس کے

گرویدہ اور بعینہ یہی الفاظ حضرت بنوریؒ سے حضرت مولانا صاحب کے بارے میں سنے۔ گویا علم اور طہارت کے دو مینار تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے ہم جیسے نابکاروں کو مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔

گرچہ خردیم ولے نسبت بزرگ داریم

احب الصالحین ولست منهم

لعل الله یرزقنی صلاحا

بہر حال حضرت مولانا لطف اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھائی مکمل ہو رہی تھی اور دوسری طرف میٹرک کے سالانہ امتحانات سے فراغت ہوئی۔ پڑھتے وقت حضرت جی نے کراچی حضرت بنوری کے مدرسے میں علوم کی تکمیل کا ارشاد فرمایا تھا۔ مگر ہم دیہات والوں کے لئے یہ قدرے مشکل تھا۔

حضرت الاستاذ حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا پہلی بار دیدار

حسن اتفاق سے کشمیر کے سردار عبدالقیوم خان نے راولپنڈی میں حضرت مولانا مفتی محمود صاحب اور حضرت مولانا یوسف بنوری صاحب اور غالباً حضرت مولانا شمس الحق افغانی صاحب رحمۃ اللہ علیہم کو کشمیر میں آئین نافذ کرنے کے لئے خاکہ بنانے کے لئے طلب کیا تھا۔ راولپنڈی میں حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع ملی کہ ان کے رفیق خاص اور اسیر مالٹا حضرت مولانا عزیر گل کے چھوٹے بھائی اور حضرت بنوریؒ کے مدرسے کے پہلے شیخ الحدیث مولانا نافع گل (عبدالحق نافع) سخت علیل ہیں اور پشاور جارہے تھے کہ راستے میں

حضرت مولانا لطف اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بہن جماعت اسلامی کے امیر قاضی حسین احمد کی والدہ کی وفات کی اطلاع ملی حضرت پشاور جاتے ہوئے راستے میں تعزیت کیلئے نوشہرہ اترے۔ یہ دونوں بزرگ حضرات مجمع عام میں تشریف فرما تھے، کہ یہ عاجز وفقیر اپنے بزرگ مولانا محمد غلام صاحب کے ہمراہ تعزیت کے لئے نوشہرہ حاضر ہوا، میں جب پہنچا تو حضرت نے فرمایا آؤ ہاتھ ملاؤ۔ یہ مولانا محمد یوسف صاحب ہیں آمد سے پہلے حضرت والا، حضرت بنوری سے بات کر چکے تھے۔ میں نے مصافحہ کیا اور قریبی چارپائی کے پینتی کی طرف بیٹھ گیا، حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ خاکی رنگ کی شیروانی زیب تن فرمائے ہوئے تھے اور نہایت بارونق بخاری ٹوپی پر سفید ململ کی باوقار پگڑی باندھے ہوئے تھے اور شان وشوکت کی لاٹھی ہاتھ میں تھی چند قدم کے فاصلے پر حضرت کو پشاور لے جانے کے لئے عمدہ قسم کی کار جس کے ساتھ خدام کھڑے انتظار کر رہے تھے۔

اس عاجز کو دیکھ کر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ اوائل شوال میں ہمارے یہاں داخلہ کے لئے آجایئے اور یوں جہانگیرہ سے کراچی حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسے پاکستان کے دارالعلوم دیوبند اور وقت کے جامع ازہر اور ایشیاء کی لاثانی علم وعمل کے معدن میں آنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے سبب بنایا۔

میری کراچی آمد

ایشیاء کی لاثانی دینی یونیورسٹی علم وعمل کے عظیم معدن میں داخل ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ نے سہولت عطا فرمائی اوائل شوال میں، میں کراچی پہنچا اس سفر میں مولانا لطف اللہ

صاحب مغلکی کے والد مولانا ہدایت اللہ مرحوم جوگل مولانا صاحب کہلاتے تھے، ساتھ تھے اور اکوڑہ خٹک کے شیخ الجامعہ جامعہ اسلامیہ کے بانی اور شیخ الحدیث ملک کے ممتاز و منفرد علمی و عملی ہستی حضرت باچاگل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے اطہر علی شاہ (گوہر جی) بھی ساتھ تھے، وہ بھی مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن حال جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن پڑھنے آرہے تھے۔

ہمارے گاؤں کے بزرگوار محترم بابو ممتاز صاحب بھی سفر میں ساتھ تھے بلکہ بابو صاحب مدظلہ ہی نے اس عاجز کی سیٹ اور برتھ بک کروائی تھی، جس کی قیمت ۵۳ روپے بنی تھی، ہم کراچی کینٹ دو دن کے سفر کرنے کے بعد اترے کسی عذر کی وجہ سے مولانا لطف اللہ مرحوم گاڑیاں اسٹیشن نہ بھیج سکے۔ انتظار کے بعد ٹیکسیوں کے ذریعے ہم شیر شاہ پہنچے جہاں مولانا لطف اللہ مرحوم کی مسجد تھی۔

حضرت مولانا لطف اللہ صاحب مرحوم شیر شاہ والے کا تذکرہ

آپ جہانگیرہ سے جنوب کی طرف واقع ایک چھوٹے گاؤں مغلکی کے باشندے تھے اور جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک کے فاضل تھے۔ کچھ عرصہ تک وہاں ناظم اور سفیر کے عہدوں پر بھی فائز رہے تھے، بعد میں باچا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عنایات سے سیٹھ سلیم کی مسجد صابری میں امام وخطیب مقرر ہوئے۔ سیٹھ سلیم ہندوستان کے متمول پنجابی گھرانے میں سے تھے۔ بزرگوں سے غیر معمولی عقیدت اور وابستگی رکھتے تھے، حضرت باچاگل مرحوم کے علاوہ حضرت مولانا عبدالغفور صاحب عباسی مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی صحبت یافتہ اور ان کی بزرگی کے مداح تھے۔

ان کے یہاں مولانا لطف اللہ صاحب کا تقرر بحیثیت امام اور خطیب برائے جامع مسجد صابری شیر شاہ ہو چکا تھا۔ مولانا لطف اللہ نہایت شریں گفتار، نکتہ سنج اور اظہار مافی الضمیر کے ماہر اور قادر الکلام خطیب تھے۔ آپ قرآن کریم نہایت حلاوت اور لذت سے تلاوت فرماتے تھے، تجوید اور قرأت کے بغیر یہ صوت جمیل نہایت دلکش اور جاذب القلوب ہوتی تھی۔ یہی حال ان کے جمعہ کے خطبہ کا تھا، عرصہ دراز کے بعد جب سیٹھ سلیم ماؤف الدماغ اور بیمار ہوئے اور ان کے تمام کارخانے اور مل سیٹھ عابد کے کنٹرول میں آئے تو بھی کچھ عرصہ تک مولانا لطف اللہ صاحب عزت واحترام سے تھے اور اس زمانہ میں جامع مسجد صابری میں درجہ ثالثہ تک کتب کا مدرسہ بھی قائم کیا گیا جس کے تمام تر اخراجات سیٹھ عابد برداشت کرتے تھے، مگر جلد ہی اختلافات ہوئے غالباً نظم ونسق کے فقدان کے علاوہ سیٹھ عابد کو مالی وجوہ پر کچھ بے اعتمادی ہوگئی تھی اور نتیجتاً مولانا مرحوم کو وہاں سے جانا پڑا، یا وہ دن تھے کہ مولانا ہی ان کے خاندان کے معتمد خاص تھے اور نقشہ یوں تھا۔

ہر کہ سلطان مرید او باشد
گر ہمہ بد کند نکو باشد

اور یا یہ دن آئے کہ مولانا تانگہ اسٹاپ کی مسجد حنفیہ میں منتقل ہوئے، سیٹھ سلیم مرحوم اور ان کے گھرانے کے افراد مولانا کی خدمت میں یہاں آتے تھے مگر زور وشور سارا سیٹھ عابد کے ہاتھ میں جا چکا تھا۔

ہر کہ با فولاد بازو پنجہ کرد
ساعد سمینش خود را رنجہ کرد

بہر حال مولانا وفات تک جامع مسجد حنفیہ ہی میں امام وخطیب رہے اور ان کے انتقال کے بعد ان کی اولاد و اہل خانہ وہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پرانی تکلیفیں ختم فرمائیں اور حضرت کے صاحبزادوں نے کوئی مدرسہ بھی قائم کیا ہے اور آرام وعزت سے وقت گزار رہے ہیں۔ حضرت کا چھوٹا لڑکا حافظ بلال، احسن العلوم میں ابتدائی درجات کا طالب علم ہے۔ اگر نظر بد اور گردش زمانہ کی گرفت سے بچے تو اپنے عظیم والد کی یادگار بنیں گے۔ بہر حال اس لڑکے کے ساتھ وہی ہوا جس کا خدشہ تھا کیونکہ

بالائے سرش ز ہوشمندی
می تافت ستارۂ بلندی

کے مصداق ہیں

میری بنوری ٹاؤن میں حاضری

ہم صبح مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن داخلہ کے لئے روانہ ہوئے وہاں پہنچ کر مولانا لطف اللہ اور قاری شیر افضل مدظلہ ہم سے پہلے جا کر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے بات کر چکے تھے، حضرت بنوری نے ان حضرات کو جواب دے دیا تھا میں جب پہنچا تو مولانا لطف اللہ صاحب مخصوص انداز میں چشمہ فریم سے پکڑ کر گھماتے ہوئے نیوٹاؤن کے گیٹ پر مجھے ملے اور بڑے افسوس سے معذرت کی کہ وہ تو آپ کو جانتے نہیں اور داخلے بند ہو چکے ہیں، پھر خود ہی فرمایا، آؤ ہاتھ ملا لو بڑی بزرگ ہستی ہے۔

جب میں داخل ہوا تو حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے ہاتھ ملایا، حضرت نے فرمایا

داخلے بند ہو چکے ہیں، میں نے حضرت مولانا لطف اللہ صاحب جہانگیرہ والے بزرگ کا خط نکال کر ان کے ہاتھ میں رکھا حضرت نے خط دیکھتے ہی فرمایا معاف کیجئے! معاف کیجئے آپ کا داخلہ تو شعبان میں اس مدرسہ کے بانی اور پہلے مدرس نے کرایا ہے اور بڑے دلکش اور باوقار لہجے میں فرمایا اسمٰعیل بھائی صاحب جلدی فارم دیں اور تلطفاً ارشاد فرمایا کہ اس لطف اللہ کے ہوتے ہوئے اس لطف اللہ کی کیا ضرورت تھی۔ بہر حال داخلہ فارم لے کر بھر دیا گیا اور ہمارا داخلہ فارم برائے امتحان ایک استاد کے پاس پہنچ گیا۔

طرفہ تماشہ

اگلے دن امتحان مقرر ہوا مگر نماز فجر میں میرے ساتھ ایک شخص نماز میں کھڑا ہوا تھا جو مسلسل دانتوں سے بھورے نکالتا تھا۔ سلام پھیرنے پر میں نے ان سے کہا آپ نے نماز کے لئے کلی نہیں کی اس لئے آپ کی نماز نہیں ہوئی اور آپ مسلسل عمل کثیر میں مبتلا ہیں وہ چپ چاپ خاموشی سے سنتے رہے۔

دن کے دس (۱۰) بجے جب امتحان کیلئے پیش ہوا تو وہی شخصیت میری ممتحن تھی، انہیں دیکھ کر میں سہم گیا اور وہ بھی مجھے دیکھ کر بے طبع ہوئے اور فارم کو لے کر مجھے کہا کہ "فارم لے کر آپ کہیں اور چلے جائیں میں آپ کا امتحان نہیں لے سکتا"۔ میں نے انہی سے گزارش کی کہ دوسرے ممتحن کا نام آپ لکھ دیں۔ انہوں نے منظور فرما کر حضرت مولانا محمد صاحب سواتی جو قدیم استاد ہیں اور دار العلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سے فاضل ہیں، غالباً مشہور زمانہ شیخ الکل فی الکل جامع المعقول والمنقول شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد

اللہ صاحب ڈاگئی مدظلہ اور مولانا محمد صاحب سواتی مظاہر العلوم میں ہم سبق رہے ہیں۔ بہر حال ان کے پاس میرا امتحان آیا کافیہ میں مشہور مقام" والثالث ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر " کی عبارت مجھ سے پڑھوا کر تشریح کرنے کا حکم دے دیا۔ اس عاجز کو کافیہ زبانی یاد ہے جو کتاب یاد ہو اس پر دسترس آسان ہوتی ہے، میں نے اس کی شرح میں ابن الانباری رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ اشعار بھی پڑھے۔ حضرت نہایت محظوظ ہوئے اور پوچھا کہ کافیہ اور مقامات کس سے پڑھی ہیں؟ میں نے حضرت اقدس حضرت مولانا لطف اللہ صاحب کا نام بتایا، حضرت کا نام سن کر وہ اور بھی زیادہ خوش ہوئے اور فرمایا وہ تو تاریخ اور ادب کے امام ہیں اور میں نے تخصص فی الحدیث انہی سے کیا ہے اور مقدمہ ابن خلدون میں ہمارے عظیم اور مقتدر استاد تھے اور احتراماً فرمایا کہ حضرت الاستاذ کے شاگردوں سے میں مزید امتحان نہیں لیتا اور مجھے درجہ رابعہ کے بجائے درجہ خامسہ میں داخلہ دینے کا حکم دے دیا۔ میں نے عرض کیا کہ میری شرح جامی اور نورالانوار جیسی اہم کتب رہ جائیں گی اس لئے مجھے رابعہ ہی میں برقرار رکھئے۔

حضرت نے بھی میری درخواست پر خوشی کا اظہار فرما کر فرمایا گاؤں سے نئے نکلے ہو اس درجہ کے بیشتر اسباق پڑھ چکے ہو اس لئے زیادہ پختہ رہ سکو گے۔

یوں ٦ شوال ۱۹۷۳ء کو کراچی میں میری آمد ہوئی اور ۷ شوال ۱۹۷۳ء کو میرا داخلہ درجہ رابعہ میں ہوا۔ وللہ الحمد اولاً و آخراً

یوں درجہ رابعہ، خامسہ، سادسہ، سابعہ اور دورۂ حدیث کی تکمیل ایشیاء کے اس مقتدر معدن علم میں خیر الرجال اور کامل علماء و اولیاء کے استفادہ کے ساتھ مکمل ہوئے۔ گاہ

گاہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے درس بخاری میں بیٹھنے کی کوشش کرتا تھا اور تقریباً بلا ناغہ شام کو کسی وقت رفیق محترم مولانا حافظ قاری مفتاح اللہ صاحب سے حضرت کے اسباق کے خصوصی نکات کا پتہ کرتا تھا۔

حضرت مولانا حافظ قاری مفتاح اللہ صاحب مدظلہ کا تذکرہ

مولانا حافظ قاری مفتاح اللہ صاحب مدظلہ کا یہ دورۂ حدیث کا سال تھا اور وہ اول سے اخیر تک بنوری ٹاؤن کے مستعد اور ہونہار طالب علم مشہور تھے۔ وفاق کے سالانہ امتحان کے علاوہ ہر امتحان میں اول آنا ان کے لئے ریزرو تھا، بعض وہ طلباء جو ان سے پرخاش رکھتے تھے ان کا کہنا تھا کہ قدیم طالب علم ہونے کیوجہ سے لحاظ میں یہ رعایت دی جارہی ہے اور وہ وفاق کے سالانہ امتحان کے منتظر تھے اور جب ایک عارضہ کی وجہ سے وفاق کے سالانہ نتیجہ میں موصوف کا وہ امتیازی مقام نہ رہا تو وہ حاسدین طلباء بڑی خوشی کا اظہار کرتے تھے، بعد میں گمشدہ کاپی ملنے سے قاری صاحب موصوف کا سابقہ مقام کافی حد تک درست ہوا حدیث میں ہے" کل ذی نعمۃ محسود "ہر شخص سے جس پر خدا کی نعمت ہو لوگ حسد کرتے ہیں۔

قاری صاحب موصوف علوم وفنون کے قابل استاد ہیں حسن اخلاق کے پیکر ہیں، قرأت وتجوید کے شناور ہیں اور قادر الکلام خطیب ہیں بنوری ٹاؤن کی شاخ تعلیم الاسلام سہراب گوٹھ میں امام وخطیب اور نگران اعلیٰ تعینات ہیں۔ قاری صاحب کی چند خصوصیات قابل فخر ہیں

(۱) آپ طالب علمی سے مستعد ثابت ہوئے ہیں۔

(۲) آپ اساتذہ اور علوم کے بے حد قدردان اور باادب ہیں۔

(۳) اساتذہ کے بیشتر دروسیات تقریباً محفوظ ہیں آپ کو کسی مشکل اور مغلق عبارت سمجھنے میں بڑی سرعت ذہن ثاقب فہم نصیب ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم پڑھنے کا امتیازی ملکہ نصیب فرمایا ہے آپ کی نماز اور وعظ ونصیحت دونوں آپ کی تلاوت اور شعر گوئی سے کشت زعفران رہتی ہے۔

پہلی شادی سے اولاد نہیں تھی دوسری شادی سے دو بیٹیاں ہوئی ہیں مزید اللہ تعالیٰ نے دو بیٹوں سے بھی مالا مال فرمایا ہے۔

اس عاجز اور حضرت قاری صاحب میں کئی علوم وفنون اور کئی مسلکوں میں اتحاد کی وجہ سے غیر معمولی انس اور جمعیت پائی جاتی ہے۔ موصوف سفر وحضر کے معتمد اور وفادار ساتھی ہیں۔ حرمین شریفین اپنے ساتھ چار دفعہ لے جا چکا ہوں ایک موقع پر جب اس عاجز اور فقیر کے معصیت بھرے جوتے اٹھانے لگے تو برادر محترم منصور الرحمٰن صاحب دیکھ کر آبدیدہ ہوئے اور فرمایا کہ جنہیں آپ ساتھ رکھتے ہیں ان کے مقامات خلق دیکھنے کے ہوتے ہیں۔ موصوف میں غیر معمولی عجلت بھی ہے جس پر میری تنبیہ اور روک ٹوک سے وہ خوش ہوتے ہیں اور اکثر اپنی جلد بازی کے خلاف میرے مقولے بڑے فخر وشکر سے سناتے ہیں۔ اس بارے میں اتنے اچھے واقعات ہیں جس پر علیحدہ جز ترتیب دیا جا سکتا ہے؛ بہر حال ہمارے مخلص دوست اس دور کے علم وعمل اخلاق وکردار کا مثالی نمونہ ہیں، اللہ تعالیٰ خوش وخرم رکھے اور دیر تک ہمیں ان سے استفادہ کی توفیق نصیب فرمائے۔ آپ کی ایک

خصوصیت جو اس عاجز کے نزدیک سب پر فائق ہے کہ بارہا حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر طالب علمی میں آپ جامع مسجد نیو ٹاؤن میں نماز فجر پڑھاتے تھے اور حضرت آپ کی اقتداء میں نماز ادا فرماتے تھے۔

تعلیم الاسلام سہراب گوٹھ کی جامع مسجد کے لئے بھی آپ کا انتخاب حضرت الاستاذ حضرت مولانا بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی نے کیا تھا۔

احوال جامع مسجد چراغ الاسلام نیو کراچی

اس عاجز کو درجۂ خامسہ سے ہی جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے بڑے اساتذہ نے مسجد چراغ الاسلام F-11 نیو کراچی امامت وخطابت کے لئے بھیجا تھا۔

یہ ایک چھوٹی سی مسجد تھی اور چاروں طرف گندہ پانی اور مقامی لوگوں کی بھینسوں کے باڑے ہوتے تھے۔ چند مخلص موحدین کی وجہ سے اکثر اہل حق امام تجویز ہوتا تھا جن میں بزرگوارم محمد یامین صاحب اور سابق امام محترم قاری عزیز الرحمٰن صاحب اور برادر حافظ زاہد صاحب وغیرہ سر فہرست تھے۔ چنانچہ اس عاجز کی تقریر وخطابت کا کسی حد تک شہرہ طالب علمی میں ہی ہوا تھا، طلبہ تقریر سیکھنے کے لئے بزم ادب وغیرہ منعقد کرتے تھے اور شب جمعہ کو مختلف طلباء کی مختلف تنظیموں کی تقریر وبیان سیکھنے کے لئے مشقیہ بیانات ہوتے تھے جن میں اس عاجز اور نابکارہ کا بیان اچھا سمجھا جاتا تھا۔ سال کے آخر میں بڑے اساتذہ کی موجودگی میں انجمنوں کے چیدہ چیدہ مقررین مقابلے میں تقریریں کرتے تھے اس میں بھی اس عاجز کو اساتذہ کی توجہات اور دعائیں حاصل رہی تھیں۔

یاد پڑتا ہے کہ حضرت بنوری کی موجودگی میں آخری انجمن میں اس عاجز کی تقریر کے دوران امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ کی عقیدۃ الاسلام سے ان کے نعتیہ کلام کے اشعار پڑھے اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے آخری شعر بھی پڑھ لیا جو کہ اس طرح ہے

کس نیست از ایں امت تو آں کہ چوں انور
باروئے سیاہ آمدہ موئے زریری

بس یہ شعر سننا تھا اور فنافی الشیخ حضرت بنوریؒ پر رقت طاری ہوگئی اور انجمن کی فضاء سوگواری ہونے لگی اور یہ عاجز بھی خوفزدہ ہو کر بیٹھ گیا۔ بعد میں حضرت اقدس مولانا مفتی ولی حسن صاحبؒ اور فقیہ النفس حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت بہت خوش ہوئے اور آپ کی قوت گویائی کی داد دینے لگے، یہ ان کی حسن نظر تھی ورنہ

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

یوں نیو کراچی مسجد چراغ الاسلام جانے میں بھی ان بڑے اساتذہ کی تاکید اور ارشاد شامل تھا۔ وہاں پہنچ کر بدعتیوں سے مناظرے اور مباحثے ہونے لگے اور ہر میدان میں بحکم الٰہی سرخروئی اور فتحیابی نصیب ہوئی اور یہ ان کامل و اکمل بزرگوں کی دعاؤں اور توجہات کا نتیجہ تھا۔

چنانچہ اس عاجز کی زندگی میں علم و تحقیق کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا، اس کی تفصیلات ایک مستقل عنوان کے ساتھ شاید کسی مناسب موقع پر شائع ہوگی۔

اس زمانے میں بطل حریت شہید اسلام حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ کے ایک عقیدت بردار نے شہید اسلام نامی ایک اخبار نکالا تھا۔ اس اخبار کے بیشتر شماروں میں اس عاجز اور مبتدعین کے درمیان مباحثے اور مناظرے شائع ہوتے تھے۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جائے کہ ڈیڑھ سال کے عرصے میں تین (۳) مرتبہ حق کی حمایت اور باطل کی سرکوبی کے لئے ۱۹، ۲۰ آدمیوں سمیت جیل جانا پڑا۔ اسی دوران نیو کراچی کے طول وعرض میں سترہ (۱۷) کے قریب مساجد بدعتیوں سے چھڑوائی گئیں اور ان پر اہل حق کا جھنڈا لہرایا گیا۔ خانقاہ راشدیہ کالی مارکیٹ کی مسجد جو کہ بدعتیوں کا مرکز تھی، اہل حق کے قبضے میں آچکی تھی اس مسجد میں میں نے مولوی جنید جو کہ اٹک کے کسی گاؤں کے باشندے تھے اور دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے فاضل تھے کو تعینات کر چکا تھا۔ الغرض مسجد چراغ الاسلام اہل حق کے مناظروں اور مباحثوں کا ایک مرکز بن چکا تھا۔

اس کے علاوہ بھی وقتاً فوقتاً مبتدعین سے مختلف بہانوں مختلف مجالس میں گفتگو رہتی تھی جو کہ دفاع حق اور فتح حق کی صداقت کی نشانی کے طور پر نمایاں رہتی تھی۔

چنانچہ نیو کراچی کی سطح پر بہت ساری مساجد اہل حق کے قبضے میں آئیں اور وہاں توحید وسنت کا درس ہونے لگا۔

ایک لطیفہ

جس وقت جامع مسجد چراغ الاسلام میں درس قرآن کریم درس توحید وسنت اور فقہ کے درس آن بان سے جاری ہوئے اور آس پاس کے لوگ چونکہ مبتدعیانہ نظریات

رکھتے تھے اس لئے ایک ہیجان اور فتنہ جیسا موحول پیدا کرنے لگے۔ جامع مسجد چراغ الاسلام نیو کراچی کے قبرستان سے متصل اس زمانے میں قریبی مسجد سمجھی جاتی تھی اور اکثر جنازے وہیں پڑھوائے جاتے تھے میری وجہ سے بعض مبتدعین پہلو تہی برتتے تھے اکثر مناظرے مباحثے اور معرکہ آرائی کے بعد میرے محلے کے ایک کاٹھیاواڑی نے ایک قصائی سے کہا کہ یہ بات تو ہم نے دیکھ لی کہ ہمارے اس نوجوان دیوبندی مناظر سے اس وقت کا کوئی بریلوی مناظرہ نہیں کرسکتا اور انہوں نے اس سلسلے میں جتنی کوششیں کیں خود انہی کے خلاف پڑگئیں اور ہمارے امام صاحب کا موقف اونچا رہا۔ البتہ ایک افسوس ہے کہ ہمارے جنازوں میں ہمارے مولانا سے بدعتیوں کے اختلاف کی وجہ سے تعداد کم ہوگئی ہے۔ یہ باتیں وہ دونوں آپس میں کررہے تھے اور میں قبرستان سے واپسی پر تھوڑا آگے چل رہا تھا اور یہ سن رہا تھا جب ان کی بات مکمل ہوگئی تو میں نے رک کر ان سے پوچھا کہ جنازہ کیوں پڑھا جاتا ہے انہوں نے کہا تاکہ اللہ تعالیٰ مردے کی مغفرت کرے میں نے کہا کہ اگر جنازہ پڑھنے والے غیر مسلم ہوں تو ان کے نماز جنازہ پڑھنے سے مردے کی مغفرت ہو جائے گی؟ انہوں نے کہا نہیں میں نے کہا کہ بریلوی فرقے کے لوگ انکار بشریت، انبیاء اولیاء کے لئے علم غیب کا عقیدہ رکھنے اور غیر اللہ سے مدد مانگنے کی وجہ سے قرآن وسنت اور اجماع امت کی روشنی میں اسلام سے نکل چکے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ مسلمان نہیں رہے اس لئے ان کی کثرت سے کوئی فائدہ نہیں جبکہ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ اگر مسلمان کے جنازے میں چالیس مخلص مسلمان شریک ہوجائیں تو اللہ اس کی مغفرت کردیتا ہے ایک روایت میں تین مسلمانوں کی شرکت کا بھی ذکر ہے یہ باتیں ہماری ختم ہوگئیں سال

دس مہینے گزرے ہوں گے کہ ہماری مسجد کو مرکزیت حاصل ہوگئی اور نیو کراچی اور کچھ قرب وجوار کے لوگ عقیدے کی مناسبت سے اکثر جنازے ہمارے یہاں مجھ سے پڑھوانے لگے اور جنازوں میں رش ہونے لگا ایک دن وہی دونوں آدمی آپس میں کہہ رہے ہیں کہ ہمارے مولانا کی وجہ سے ہماری مسجد میں اور خاص کر جمعہ کی نماز میں اور جنازوں میں رش ہونے لگا۔ میں نے ان کی طرف مڑکر اور ہنستے ہوئے ان سے پوچھا کہ آپ کو اپنی پہلی بات یاد ہے؟ انہوں نے کہا کہ جی پھر میں نے ان سے کہا کہ یاد رکھو توحید وسنت کی برکات دنیا وآخرت میں خوشگوار اور پائیدار رہیں گی باقی کسی چیز کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

لطیفہ نمبر۲

مشہور زمانہ حکیم عباسی جو نبض شناسی اور بعض امراض کے علاج میں وقت کے حاذق اور مسلمہ حکیم مانے گئے یہ مشہور زمانہ ناصبی منکر حدیث محمود احمد عباسی کے بھائی تھے محمود احمد عباسی کی رسوائے زمانہ کتاب "سید وسادات" اور "تحقیق خلافت معاویہ ویزید" جیسی رسوا کن اسلامی معیار سے ہٹی ہوئی کتابوں کے مصنف تھے۔

البتہ حکیم صاحب خود صحیح العقیدہ تھے اکابر علماء دیوبند کے کیش برادر تھے اور فقیہ العالم محدث کبیر مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قریبی اور مخلص دوست تھے سب سے پہلے بنوری ٹاون میں طالب علمی کے دوران جبکہ اکثر طلباء کو قبض کی شکایت رہتی تھی مجھ عاجز اور فقیر کو بھی علاج کے لئے حکیم صاحب کے یہاں حضرت الاستاذ حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی لیکر گئے تھے۔

اس وقت کی گفتگو سے اندازہ ہوا تھا کہ حکیم صاحب علماء حق کے حد درجہ قدر دان اور عقیدت بردار ہیں۔ چنانچہ حکیم صاحب کی اہلیہ کا انتقال ہوا اور ان کی رہائش اور مطب وغیرہ کالی مارکیٹ نیو کراچی کے قرب وجوار میں تھی۔ میرے پیچھے اپنے لڑکے کو گاڑی دیکر بھیجا کہ آپ آئیں اور میری اہلیہ کا جنازہ پڑھائیں۔ میں جب وہاں پہنچا اور جنازہ رکھ دیا گیا اور میں پڑھانے کیلئے آگے بڑھا تو بعض مبتدعین نے اعتراض کیا اس پر حکیم صاحب نے کہا کہ میں نے مولانا کو اس لئے زحمت دی ہے کہ یہ موحد عالم ہے ان کے جنازہ پڑھانے سے میری اہلیہ کی مغفرت ہوجائے گی۔

حکیم صاحب نے سب کے سامنے کہا کہ میری خواہش ہے کہ بدعتی صفوں سے نکل جائیں کیونکہ بدعتیوں کے صفوں میں کھڑے ہونے سے قہر الٰہی کے نزول کا اندیشہ ہے جس سے میری اہلیہ کی مغفرت کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ یہ کہہ کر اپنے چند عزیزوں اور صاحبزادوں کے ساتھ صف میں کھڑے ہوکر مجھے آواز دی کہ حضرت آپ جنازہ شروع کرائیں بدعتیوں اور مشرکوں کو پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ میں نے آواز دی کہ یہ لوگ بھی اللہ کی توحید اور پیغمبر کی سنت پر اپنا ایمان بحال کرنے کا وعدہ کرکے جنازہ پڑھ سکتے ہیں۔

بہرحال حکیم صاحب کی یہ دینی غیرت توحید وسنت کے مسلک پر حمیت اور آہنی موقف دیکھ کر مشہور زمانہ رئیس الموحدین استاذ المفسرین حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ وا ںبچھراں پنجاب والے کی توحید وسنت کی غیرت یاد آئی۔

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندہ صحرائی یا مرد کوہستانی

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے نیو کراچی 11/F جامع مسجد چراغ الاسلام کی امامت اور خطابت کے دوران جس کی کل مدت ڈیڑھ سال ہوگی وہ میرے درجہ خامسہ اور سادسہ کے سال تھے۔

اس عرصہ میں حق تعالیٰ نے درس قرآن جمعہ کی خطابت اور دیگر مواقع پر توحید وسنت پر مشتمل تحقیقی بیانات اور خطابات اور بریلویانہ شرک وبدعت اور رسوم کا سخت شد و مد سے رد وقدح پورے علاقے میں معروف ہوگیا تھا۔ بدعتیوں نے میرے خلا ف اخبارات میں مضامین نکالے مگر ان سب کا مجھے اور میرے مسلکے کو فائدہ پہنچا کیونکہ لوگ ان کی دروغ گوئی اور اہل حق کی صداقت سے واقف تھے۔ اس دوران بعض نجی مقامات پر اور بعض جگہ مساجد میں ان کے بڑے مناظرین سے گفتگو کا موقع بھی آیا جس میں حق تعالیٰ نے حق کو فتح ونصرت نصیب فرمائی اور ان کا غلط فہم ہونا سب پر واضح ہوگیا۔ اس کے نتیجہ میں جامع مسجد چراغ الاسلام جو غیر معروف اور غیر مناسب جگہ پر تھی وہ نہایت ہی موزون اور اس کے محل وقوع کو اہل حق کی نظر میں خاصی وقعت نصیب ہوئی۔ چنانچہ اس کی برکت سے ڈیڑھ سال کے عرصہ میں ۲۸ مساجد کے اندر توحید وسنت کے امام کھڑے کئے گئے اور قرآن وسنت کے درس شروع کرادیئے گئے۔ یہ اور بات ہے کہ میرے گلشن جانے کے بعد بعض مارآستینوں نے اپنے ہی خلفشار سے بعض جگہ نقصان پہنچایا فالی اللہ المشتکی۔ آج اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے نیو کراچی میں ایک عالیشان مسجد ومدرسہ جامعہ احسن الدراسات قائم ہے۔

نیو کراچی سے میرا گلشن اقبال آنا

چونکہ جامع مسجد چراغ الاسلام کے زمانے میں بعض مقامی بدبختوں سے تھانہ تحصیل تک نوبت پہنچ چکی تھی اور دو تین بار جیل کی قید و بند تک اٹھانی پڑی۔ اس میں میرے طالب علم ہونے کی وجہ سے جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے مقتدر اساتذہ اور انتظامیہ اختلافی بحران میں میری تائید و نصرت کے لئے آمادہ تھے۔

ان میں جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے اس وقت کے مدرس نائب مفتی اور حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند نسبتی اور صدر المدرسین مولانا عبدالرحمٰن کیمبلپوری رحمۃ اللہ علیہ کے لائق فائق صاحبزادے ہمارے استاذ مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے جو بعد میں جامعہ اسلامیہ کے مقتدر مہتمم اور حضرت بنوریؒ کے سچے جانشین اور اپنے وقت کے اورنگ زیب بادشاہ کے مثل بن کر نظر آئے تھے۔ حضرت مفتی صاحب کی معیت میں ان کے جوڑی دار اور جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے تمام علوم فنون کے کہنہ مشق استاذ جو بعد میں وہاں شیخ الحدیث بنے یعنی استاذ محترم مولانا مصباح اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہماری مقدمہ بازی اور مسجد کے تنازعات میں ہمارے معاون تھے۔ ہم ان دونوں بزرگوں کے پاس دن رات ہر وقت بغیر بے تکلفی کے پہنچ جاتے تھے اور جہاں ضرورت ہوتی اور مناسب جانا جاتا متعلقہ افسر کو فون کر دیا جاتا تھا۔

چنانچہ سندھ کے مشہور بزرگ محقق عالم اور مجاہد شخصیت حضرت مولانا عبدالکریم بیر شریف والے کے قریبی عزیز محمد اسلم صاحب آئی جی سندھ تھے۔ حضرت مفتی صاحب

کے ذریعے ان سے بات ہوئی اور انہوں نے بھرپور تعاون کی یقین دہانی کرائی۔ مگر بنوری ٹاؤن کے خصوصی مخلص کرم فرماؤں میں سے حافظ غلام سرور صاحب تھے جو سعید منزل دھوبی گھاٹ کے قریب پولیس لائین کی مسجد میں عرصہ دراز سے امام وخطیب چلے آئے تھے میرے بہت زیادہ قدردان تھے۔

حافظ غلام سرور صاحب کا تذکرہ

حافظ غلام سرور صاحب چھچھ کے باشندے تھے اور ایک بڑے متمول گھرانے کے چشم و چراغ تھے ان کا خاندان سارا مغربی سوچ کا تھا مگر حافظ صاحب نے کوہ ہمالیہ بن کر پورے علاقے میں بنات کے کئی مراکز قائم کئے جن کے تمام اخراجات حافظ صاحب کے ذریعے سے کراچی کے مخلص اور دیندار متمولین پورا کرتے تھے علاقے کے توسط سے وہ استاذ محترم مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قریبی جاننے والے تھے۔ حافظ صاحب موصوف اس وقت سیشن جج تھے بعد میں کچھ عرصہ لاء ڈپارٹمنٹ کے سیکرٹری رہے اور پھر ہائی کورٹ میں آفیشل آئینی حکومت سندھ بنے۔ موصوف علماء دیوبند کے دل و جان سے قدردان تھے حافظ غلام سرور صاحب کی منزلت اور قدر سے آشنا اور بنوری ٹاؤن کی مرکزیت کے خواہاں اور سندھ کے قدیم بزرگ مولانا عبدالکریم بیر شریف والا کے مرید اور حضرت کے توسط سے قافلہ حق کے سالار فقیہ الامت مفتی اعظم اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحب کے جان نثار عقیدت برداروں میں سے ہیں۔

چنانچہ نیو کراچی کے تنازعات کے دوران مولانا مفتی احمد الرحمٰن کے توسط سے

حافظ صاحب موصوف سے پھر ان کے ذریعے حاجی بشیر احمد میمن مدظلہ سے غیر معمولی واقفیت ہوئی۔ حاجی صاحب اب بھی حیات ہیں حال ہی میں ان کی جگہ ان کا ایک بیٹا ہائی کورٹ کا جج بنا ہے حاجی صاحب نے بذریعہ ٹیلیفون ان کے جج ہونے پر تو ناراضگی ظاہر کی البتہ یہ یقین دہانی بھی کرائی کہ دین اسلام کے لئے جو خدمات اس لڑکے سے لی جائیں گی یہ جج کی سیٹ پر ان شاء اللہ خندہ پیشانی سے بجالائے گا۔

حاجی صاحب کے پاس مقدمات کے سلسلے میں آنا جانا رہا اور بعض اہم موقعوں پر ان کے خیر خواہانہ مشورے اور ان کی بروقت دین ودنیا کے آداب کے مطابق سفارش بڑے خطرات کے ٹالنے میں معین ومد ثابت ہوئی اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ البتہ حافظ غلام سرور صاحب چند سال ہوئے انتقال فرما چکے ہیں اور ان کی جگہ ان کے صاحبزادے مسند نشین ہیں گو حافظ صاحب کے زمانے کی گھن گرج نہیں تاہم

"نعم الخلف لخیر السلف"

یعنی اچھے گوشت کا شوربہ بھی اچھا ہوتا ہے کے مصداق لڑکے لائق فائق ہیں اور خدا ان کو اپنے عظیم والد کی برکات اور فیوضات نصیب فرمائے کبھی کبھی احسن العلوم آکر اپنے کوائف اور احوال سناتے ہیں۔

حضرت حاجی صاحب بشیر میمن دامت برکاتہم کے محاسن اور فیوضات اور حق کی حمایت ونصرت کے واقعات بے شمار ہیں جو کہ مناسب موقع پر باقاعدہ درج کئے جائیں گے۔ فی الحال یہ مختصر تذکرہ کافی سمجھا گیا۔ واضح رہے کہ اس اثناء میں DIG عبید الرحمٰن جو جامعہ بنوری ٹاؤن کے عبوری نائب مہتمم میر عالم خان لغاری کے عزیز تھے ان سے بھی

واقفیت ہوئی اور نیو کراچی جامع مسجد چراغ الاسلام کے خلاف بدعتی یلغار کے مقابلے میں ان کی خدمات بھی بہت بیش بہا، ہیں۔

جامع مسجد چراغ الاسلام نیو کراچی کے سلسلے میں جناب ممتاز محمد بیگ صاحب کا تذکرہ

جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے ایک لائبریرین قاری عبد الحلیم صاحب جامع مسجد احسن گلشن اقبال کے اندر امام وخطیب تھے ان کے ذریعے پتہ چلا کہ ان کے ایک مقتدی جو جامع مسجد چراغ الاسلام کے اس وقت کی انتظامیہ کے صدر تھے وہ ڈپٹی ہوم سیکریٹری ہے جن کا نام ممتاز محمد بیگ صاحب ہے مسجد کے کیس کے سلسلے میں ان سے بھی تعارف ہوا۔ انہوں نے بھرپور تعاون کی کوشش کی اور بعض جگہ ان کا تعاون مفید ثابت ہوا مجھے جامع مسجد احسن گلشن ان سے ملنے آنا ہوا ملاقات پر پتہ چلا کہ وہ مسلک دیو بند کے مضبوط قدردان ہیں اور دار العلوم کراچی اور مولانا محمد رفیع محمد صاحب سے عقیدت رکھتے ہیں۔

جوں جوں واقفیت بڑھتی گئی تو بیگ صاحب کا مسلک کی سطح پر اخلاص معلوم ہوتا گیا بیگ صاحب موقع سے فائدہ اٹھا کر جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب اور شیخ الحدیث فقیہ العالم مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی ولی حسن صاحب اور استاذ گرامی قدر مولانا مصباح اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ بزرگوں کی خدمت میں پہنچے اور ان سے درخواست کی کہ مجھے نیو کراچی سے جامع مسجد احسن گلشن اقبال منتقل

ہونے کا حکم دیں۔

اساتذہ اور انتظامیہ بنوری ٹاؤن بیگ صاحب کی حسن کارکردگی کے قدردان تھے اور مجھے وہ دیوبندی مساجد اور دیوبندی تنازعات میں آگے بڑھانا چاہتے تھے جس کی ایک صورت ایسے نیک دل مسلمان باصلاحیت افسران سے تعلق بھی تھا جو مسلک کی سطح پر دین اسلام کی خدمت کو عبادت جانتے۔ چنانچہ اساتذہ کرام نے مجھ عاجز کو نیو کراچی کے بجائے جامع مسجد احسن گلشن اقبال آنے اور یہاں امامت و خطابت اختیار کرنے کا حکم دے دیا۔

میں نے معذرت کی کہ بیگ صاحب بہت نیک افسر ہیں مگر افسرانہ دماغ کے ساتھ شاید ایک حریت پسند فقیر اور بے سروسامان امام دیر تک نہ چل سکے کیونکہ ایک جگہ میں دو ارباب اقتدار جمع نہیں ہو سکتے۔ مگر اساتذہ کا کہنا غالب آیا اور مجھے گلشن آکر جامع مسجد احسن میں امامت و خطابت شروع کرنی پڑی یہ میرے موقوف علیہ کا آخر اور دورۂ حدیث کے مبادی کے ایام تھے۔ غالباً پانچ یا ساڑھے پانچ سال کے بعد بیگ صاحب نے اپنے افسرانہ کر و فر کا اظہار شروع کیا۔ اسی دوران گلشن اقبال میں مولانا حکیم محمد اختر صاحب کی تشریف آوری ہوئی۔

مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ کا تذکرہ

مولانا حکیم محمد اختر صاحب ہندوستان اعظم گڑھ کے رہنے والے ہیں اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک عالم خلیفہ شاہ عبدالغنی پھولپوری کے تربیت یافتہ ہیں۔

حضرت پھولپوری غالباً حکیم صاحب کے رشتہ میں بھی کچھ قریب تر بزرگ ہوگئے تھے۔ شاہ عبدالغنی پھولپوری حکیم الامت کے خلیفہ ہونے کے علاوہ علوم وفنون کے ماہر استاذ تھے۔ حکیم صاحب کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ دارالعلوم دیوبند کے ایک استاذ کا انتقال ہوا تھا جس پر حکیم الامت نے فرمایا کہ اگر دارالعلوم دیوبند نے مجھ سے استاذ طلب کیا تو میں عبدالغنی کو بھیجوں گا۔ گویا حکیم الامت کی نظر میں مولانا عبدالغنی پھولپوری معتمد استاد تھے اور یہ علمی کائنات میں مضبوط و ثقہ اور عمدہ دستاویز ہے۔

مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری کا واقعہ

مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری جب پاکستان ناظم آباد منتقل ہوئے تو کراچی بھر کے علماء کرام کو مدعو کیا گیا۔ مہمانوں کی گزرگاہ میں جگہ جگہ معجون سفوف اور کشتے تیار کرتے ہوئے آگ پر چولہے چڑھاتے ہوئے اور دوائیں تیار کراتے ہوئے دکھایا گیا اور پھر چولہے کے ساتھ یا ہانڈی کے ساتھ اس کی خاصیات درج ہوتی تھیں۔ علماء محسوس تو کر رہے تھے لیکن لحاظ میں خاموشی سے گزر کے حضرت پھولپوری کی مجلس میں آکر بیٹھ جاتے تھے۔

اتنے میں محدث العالم محدث العصر حضرت الاستاذ مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور انہوں نے آتے ہی اس تجارتی طریقہ کار پر اعتراض کیا جس پر حضرت پھولپوری نے ان سے معذرت فرمائی۔ غالباً دوائیوں کا یہ سلسلہ اور اس کے تعارف کی یہ مشکل گھاٹی اور اتنی آسانی سے سر کرنا مولانا حکیم اختر صاحب کا کارنامہ

تھا۔ ہمارے اکابر اور بزرگوں نے دین کو دنیا سے محفوظ رکھا ہے اور جب بھی اس کے خلاف دیکھا گیا بر امان گئے۔ خاص کر حضرت مولانا حکیم الامت کا سلسلہ اس میں بہت ممتاز نظر آیا ہے۔ تاہم انسان بشر ہے اچھے ارادے سے بھی کبھی کمزور کام ہو جاتا ہے۔

شاہ عبدالغنی پھولپوری نے حکیم صاحب کو بیعت تو کیا ہے لیکن انہیں خلافت نہیں دی۔ خلافت انہوں نے مولانا مفتی رشید احمد صاحب کو دی تھی اور غالباً مفتی رشید احمد صاحب جس مکان میں رہتے تھے کسی زمانے میں اس میں اشرف المدارس اور پھر تخصص کا کام ہونے لگا تھا۔ یہ جگہ اصلاً حضرت پھولپوری کی تھی اس کے قریب ہی ایک مختصر سا مکان تھا جس میں حکیم صاحب بھی بمع اہل وعیال کے رہتے تھے اس زمانے کی اور بھی مجالس اور واقعات یاد ہیں مگر

''بس کم خود زیرکاں را ایں بس است''

حکیم صاحب مدظلہ نے خلافت حضرت مولانا ابرارالحق صاحب ہردوئی سے لی تھی وہ مظاہر العلوم سہارنپور کے فاضل شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ اور صدر المدرسین مولانا عبدالرحمٰن کیمبل پوری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد خاص اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔

مولانا ابرارالحق ہردوئی کا واقعہ

مولانا ابرارالحق مرحوم نہایت متدین متقی اور پارسا انسان تھے، آپ پر اپنے شیخ حضرت حکیم الامت کی طرح اصلاح خلق کا غلبہ تھا۔ اس سلسلے میں وہ مساجد کے آئمہ

انتظامیہ اور موذنین وغیرہ پر نظر رکھتے تھے بعض لوگ ان کی اصلاحی کاوش سے خفا بھی ہو جاتے تھے۔ بہت ممکن ہے اصلاح کے بہانے بعض اوقات غیر مصلحانہ طریقہ کار سامنے آجاتا ہے اور اس کی چند مثالیں

(۱) جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاون کے دار الحدیث میں حضرت نے تقریر میں کہا کہ شیخ الحدیث اور مفتی کی تنخواہ زیادہ بڑی ہوتی ہے اور قرآن پڑھانے والے استاذ کی تنخواہ کم ہوتی ہے ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ اس پر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب سے فرمایا کہ ان کو بعد میں یہ مسئلہ سمجھا دو کہ تحدیث اور افتاء معانی قرآن ہیں اور قاری صاحب نقوش پڑھاتے ہیں اس لئے معانی کا درجہ نقوش سے بڑھ کر ہے۔

(۲) فرمایا لوگ وتروں کے بعد نفل بیٹھ کر پڑھتے ہیں حالانکہ نفل میں بیٹھ کر پڑھنے سے ثواب آدھا ملے گا بلکہ اور نفلوں کی طرح کھڑے ہو کر پڑھی جائیں۔ یہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا خاص موضوع تھا اور وہ مشہور حدیث جو صحاح ستہ اور دیگر معتبرات سب میں سند جید کے ساتھ اصح فی الباب موجود ہے۔ " اجعلوا آخر صلٰتکم باالیل وترا " یعنی رات کی آخری نماز وتر پڑھا کرو اور ان کے استاذ اور شیخ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کشف الستر میں اور شرح بخاری وغیرہ میں اس پر تفصیل سے لکھ چکے تھے کہ اس حدیث کے پیش نظر وتر کے بعد نفل نماز پسندیدہ نہیں ہے۔ بعض اکابر اس ممانعت سے بچنے کے لئے بطور حیلہ کے بیٹھ کر پڑھ لیتے تھے۔ کہ شاید آخریت وتر متاثر نہ ہوں۔ چنانچہ مولانا ابرارالحق صاحب کے فوراً بعد حضرت بنوریؒ اس مسئلے پر تقریر شروع کی اور فرمایا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وتروں کے بعد ہر طرح کے نفل کو حرام کہتے تھے اور امام

شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے ایک دفعہ پڑھی ہے آئندہ نہیں پڑھوں گا، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے وتر کے بعد نوافل کی کوئی روایت مروی نہیں۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس تقریر میں فرمایا کہ چونکہ صحیح وتر کو آخیر میں رکھنا ہے اور اس کے بعد نفل پڑھنے سے آخیر وتر متاثر ہوتی ہے اور حدیث کی خلاف ورزی لازم آتی ہے اس لئے امام صاحب نے اس میں کوئی روایت نہیں فرمائی۔ حضرت نے فرمایا کہ مہمان محترم کو اس مسئلے میں معلومات نہیں اس لئے میں ان کی موجوگی میں وضاحت کرتا ہوں کہ وہ آئندہ وتروں کے بعد نفل پڑھنے اور کھڑے ہونے کی ترغیب نہ دیں۔

واضح رہے کہ اس طرح کی تنقیح مولانا عبدالعزیز فرھاروری مشہور اصول حدیث کی کتاب کوثر النبی میں کر چکے ہیں اور عاجز وفقیر کا رسالہ احسن العطر فی تحقیق الرکعتین بعد الوتر اس موضوع پر حق تحقیق اور صداقت مسئلہ کا آئینہ دار ہے۔

واضح رہے کہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ ہر سال رمضان شریف کے اوائل میں جامع مسجد بنوری ٹاؤن کے اندر عشاء کے بعد اعلان کرتے تھے کہ وتروں کے بعد کوئی نفل نماز نہ پڑھی جائے اور وتر رات کی آخری نماز رہے اور کسی بھی مستحب یا نفلوں سے اس حدیث اور سنت کے خلاف نہ کیا جائے۔ آپ نے اپنی معروف اور مہتم بالشان شرح ترمذی ''معارف السنن'' کے اندر بھی اس پر تفصیل سے لکھا ہے اور جب وہاں کے ایک بڑے استاذ نے حضرت کے اعلان کے باوجود حضرت کی ذاتی تحقیق اور انفرادی موقف پر عمل کر کے لوگوں کو رات کو نفل پڑھنے کی اجازت دی تو حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مفتی کو بنوری ٹاؤن سے خارج کر دیا۔ اس کی زیادہ تفصیل مناسب نہیں ہے۔ البتہ حضرت بنوری

رحمۃ اللہ علیہ کا مسئلہ پر ثابت قدمی اور حق کی حمایت ضرب المثل تھی۔

واضح رہے کہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مولانا عبیداللہ انور نے شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا وتروں کے بعد نفل نہ پڑھنا اور اپنے مخصوص حلقے کو منع کرنا ذکر فرمایا تو حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ بے انتہا خوش ہوئے اور فرمایا کہ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ واقعی خدارسیدہ مرد کامل تھے کہ اس مسئلہ پر بھی نظر تھی اور احیاء سنت کے لئے اس پر قائم تھے۔ حضرت بنوریؒ جب ہردوئی والے بزرگ کو دارالحدیث میں تقریر کے دوران سمجھا رہے تھے تو اثناء کلام میں حضرت مولانا بدیع الزمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ دیا کہ وہ بھی بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ آپ نے فرمایا ذوق تھا تحقیق نہیں۔

(۳) ایک دفعہ مولانا ابرارالحق صاحب جامع مسجد احسن تشریف لائے حکیم صاحب وغیرہ بزرگ بھی ساتھ تھے تو جامع مسجد احسن جو اس سے پہلے چھوٹی سے بنی تھی اس کی تعمیر میں مٹی کا تیل اور تارپین ڈالنے کا پوچھا اس وقت کی انتظامیہ کے خزانچی حاجی مقبول نے کہا کہ ہاں ڈالا ہے آپ نے ناراضگی ظاہر فرمائی کہ مسجد میں پیاز اور لہسن کھا کر آنا منع ہے تو آپ لوگ مٹی کا تیل اور تارپین کیوں ڈالتے ہیں؟ اس پر اس عاجز نے خلاصۃ الفتاویٰ کے حوالے سے عرض کیا کہ فقہاء نے تعمیر اور احکام مسجد میں سرقین الدواب (جانوروں کا گوبر) ڈالنا جائز لکھا ہے۔ کیونکہ یہ مغلوب ہو کر صرف مطلوبہ فائدہ دیتے ہیں اس کی ھینگ یا بو محسوس نہیں ہوتی۔ فقہی حوالہ سن کر حضرت بہت محظوظ ہوئے۔

(۴) اسی طرح آذان میں حیعلتین میں تحویل کے قائل تھے اس عاجز نے عرض کیا کہ گو

معتبرات میں ہے مگر تأمل میں آذان اور اقامت کے درمیان فرق کیا گیا ہے کہ آذان میں تحویل ہوگی اور اقامت میں نہیں ہوگی اور یہ پندرہ فروق میں سے ہے جن کا تذکرہ مولانا عبدالحیٔ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے السعایہ میں کیا ہے۔ یہ سن کر مولانا نے خوشی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ حکیم صاحب افریقہ والوں اور بنگال والوں کو بھی لکھ دیں کہ اس مسئلہ میں ہم سے غلطی ہوئی ہے بعد میں اس عاجز نے خلاصہ اور سعایہ با قاعدہ پیش کی جس پر حضرت بے انتہا محظوظ ہوئے اور فرمایا کہ مسئلہ جب علماء کے سامنے آجاتا ہے تو اس کی منزلت اور حقیقت معلوم ہوجاتی ہے۔

(۵) اسی طرح حضرت کی یہ رائے تھی کہ آذان بھی تجوید سے ہو مگر فقیر اور عاجز نے عرض کیا کہ تجوید خاصہ کتاب اللہ ہے مطلق عربی کا ادب نہیں آذان مجود بہتر ہونا اور بات ہے اور اس کے لئے تجوید کا ضروری ہونا اور بات ہے ورنہ احادیث اور فقہ کی عبارات بھی تجوید سے پڑھنا لازم آجاتا ہے۔

"ولم يقل به احد من السلف فضلاً عن الخلف"

یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ بالھام خداوندی "جو ہر کامل کو عمر اخیر میں ہوتا ہے" کہ وہ دنیا سے جاتے جاتے بعض مفسدین جنہوں نے جادۂ حق سے ہٹ کر کام کئے ہیں ان پر رد وقدح کر کے آگے بڑھے جیسے حضرت شیخ الحدیث مولانا ذکریا محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کو اشارہ ہوا اور انہوں نے فتنۂ مودودیت لکھا اور ان سے پہلے ان کے عظیم بزرگ روئے زمین کے کامل عالم اور اکمل ولی شیخ الاسلام شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو رد مودودیت کا خاصہ دھیان رہا تھا۔ جو ان کی

تصنیفات ایمان عمل اور مکتوبات سے ظاہر ہے اور ان کے رفیق شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے یکے بعد دیگرے کئی رسائل مودودی صاحب کے رد میں لکھے (ملاحظہ ہو حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فتنوں کے تعاقب میں) اسی طرح بطل حریت شیر اسلام حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ من جانب اللہ اس فتنے کی سرکوبی میں پیش پیش تھے، اسی طرح حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی عمر آخر میں الاستاذ المودودی کے نام سے مودودی صاحب کی تصنیفات میں بے راہ روی، جادۂ حق سے انحراف اور انبیاء علیہم السلام اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دیگر قابل اعتماد بزرگوں کے بارے میں جس نازیبا روش کا مظاہرہ کیا ہے وہ نا قابل تلافی جرم ہے اور جو ان کی مندرجہ ذیل کتب سے واضح ہے :

(۱) تفہیم القرآن (۲) تفہیمات حصہ دوم (۳) احیاء تجدید دین (۴) اور رسوائے زمانہ کتاب "خلافت وملوکیت" اور ان کے رسائل ومسائل وغیرہ سے ظاہر ہے۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے تعاقب میں یکے بعد دیگرے تین یا چار رسائل ترتیب دیئے اور ان پر ان کے مطبوع سید قطب طٰہٰ حسین اور مفتی محمود شلطوط وغیرہ کے تعاقب میں خاص کر دنیا عرب کو بیدار کرنے کے لئے الاستاذ المودودی لکھنے لگے۔ میں نے معتبر ذرائع سے سنا ہے کہ حضرت فرماتے تھے کہ میرا یہ ارمان ہے کہ میں ایک کتاب لکھوں اور اس کا نام ہوگا (صنمان يعبدان في الجزيرة) یعنی جزیرۃ العرب میں دو آدمیوں کا پوجا، مودودی اور سید قطب کا)

کاش کہ حضرت کو فرصت حیات مل جاتی اور وہ اس ارمان کو پورا کر لیتے "وکم

من حسرات فی بطون المقابر ''حضرت کا کمال اخلاص تھا کہ کچھ مدت نہیں گزری تھی کہ جزیرۃ العرب کے علماء پر مختلف نواحی سے حقیقت مودودی کھل گئی اور رفتہ رفتہ ان کا وہ حال نہ رہا جو پہلے تھا گویا صمان بعبد ان فی الجزیرۃ کے عزم اور تخیل نے حضرت کا ارمان پورا کرایا'' اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُکْرًا وَ قَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ''

بہر حال یہ عاجز و فقیر اساتذہ اور دیگر بزرگوں کے حکم پر جامع مسجد احسن منتقل ہوا اور امامت و خطابت شروع کردی۔

جامع مسجد احسن میں امامت و خطابت

جب یہ عاجز و فقیر جامع مسجد احسن میں بحیثیت امام و خطیب مقرر ہوا تو یہاں کی انتظامیہ میں ممتاز محمد بیگ صاحب صدر تھے، حاجی مقبول احمد صاحب خزانچی تھے، چوہدری محمد افضل اور حاجی نور اللہ شافعی ممبران تھے۔ یہ چار رکنی ارکان مسجد کے انتظام اور انصرام پر اثر انداز تھے اور مسجد میں موذن پنجاب سے منظور نام کا تھا جو مسجد کی خدمت بھی کرتا تھا آذان بھی دیتا تھا اور امام کی عدم موجودگی میں نماز بھی پڑھا لیتا تھا۔ مسجد میں چند نمازی ہوتے تھے اور مسجد کے سامنے ایک ٹینکی تھی اس پر ٹونٹیاں لگی ہوئی تھیں اور چاروں طرف کیکری جنگل تھا لوگ طہارت کے لئے لوٹے میں پانی بھر کر اندر جاتے تھے بعد میں میری آمد پر بیگ صاحب کے حکم پر بلاکوں کی ایک چاردیواری سی بنادی گئی جس میں صرف استنجاء اور ضروری طہارت ہوسکتی تھی قضاء حاجت کے لئے پھر بھی کیکروں والے جنگل ہی جانا ہوتا تھا۔

۱۹۷۷ء میں میرے دورۂ حدیث کے سال جب حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا اور ان کے رفیق علم و عمل اور یار غار حضرت مولانا لطف اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو میرے ابتدائی اور بنیادی استاذ تھے اور ان کی خواہش پر مجھے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ان کے مدرسہ بنوری ٹاؤن آنا پڑا تھا۔ وہ تشریف لائے میرے استاذ ہونے کی وجہ سے میرے ساتھ رات کو جامع مسجد احسن تشریف لائے حضرت کو جب طہارت خانے میں لے گئے تو حضرت یہ کہہ کر واپس تشریف لائے کہ وہاں تو سخت اندھیرا ہے اور مجھے کچھ نظر نہیں آتا ماچس کے ذریعے ان کی ضرورت پوری کردی گئی۔

میری امامت اور خطابت شروع ہوئی خدا تعالیٰ نے ابتداء سے لوگوں کو مسائل سمجھانے اور ان کو قرآن مجید کا ترجمہ پڑھانے کا خاصہ سلیقہ دیا تھا اور اس طریقہ میں ہمیشہ سو فی صد کامیابی نظر آئی۔

میں عموی نمازوں کے بعد کبھی کبھی فجر کے بعد اور کبھی عشاء کی نماز کے بعد کوئی ایک آیت یا حدیث شریف یا فقہی مسئلہ بیان کرتا تھا، لوگ شوق سے سنتے اور بیٹھتے اور بیٹھنے والوں میں اور شوق سے سننے والوں میں حد درجہ لائق اور قدر دان محترم و مکرم ممتاز محمد بیگ صاحب تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ بیگ صاحب پر خیر اور اصلاح کا عمدہ اثر تھا وہ مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ کے دوست اور معتقد تھے لیکن ان کے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان سابق استاذ دار العلوم دیوبند مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قدر دان اور صحبت یافتہ تھے، اس مناسبت سے وہ خطیب پاکستان مولانا احتشام الحق رحمۃ اللہ

علیہ اور محدث العالم حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء دیو بند کے حد درجہ قدر دان تھے۔ میرے درس کو بھی وہ بہت اہمیت سے سنتے اور اچھے مضامین اور تحقیقی گفتگو پر دوسرے لوگوں سے والہانہ تذکرہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ سے تذکرہ کیا جس پر مولانا رفیع عثمانی صاحب نے فرمایا کہ ایسے امام وخطیب کا احترام ضروری ہے اور پھر اس جملے کو مجھے اور اہل مجلس سے بڑی بشاشت طبع سے بیان فرماتے تھے۔

پروفیسر مزمل حسن کی آمد

یہ بالکل ابتدائی ایام تھے اور شاید چند مہینے گزرے ہونگے کہ ایک نوجوان نہایت خوبرو صحت مند اونچے قد وکاٹھ اور بہترین گھرانے کا لائق فائق گو وہ کالج یا کسی کمپنی سے متعلق تھا لیکن علم کی قدر اور علماء سے خوشہ چینی اور ان کا احترام وادب کرنا ان کی فطرت ثانیہ معلوم ہو رہی تھی، انہوں نے مجھ سے ترجمۂ قرآن کی خواہش کی میں نے منظور کی وہ چھوٹے سائز کا قرآن مجید جس میں شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ اور حاشیہ تھا وہ لیکر مسجد میں دائیں طرف کونے پہ ایک تکونے امام کی ضرورت کے لئے بنے ہوئے کمرے میں فجر کے بعد بلاناغہ آتا تھا، اور دو چار آیتیں ترجمہ وتفسیر پڑھ کر پھر میرے چائے بنانے یا میرا ناشتہ بنانے میں ایک چولہا سیٹ کرتا تھا جس میں ایک ٹھیکری استعمال ہوتی تھی اور وہ ہر روز ٹوٹتی تھی۔

یہ ہمارے مخلص دوست اس عاجز وفقیر کے کائنات علم کا نقش اول اور اساس الخیر

برادرم پروفیسر مزمل حسن صاحب تھے۔ جن کی تعلیم اور ابتدائی اخلاص اور اس عاجز سے انسلاک اور تعلق ایک عظیم اور مقتدر باردار شجر مثمرہ بن کر آگے سامنے آیا کہ آج احسن العلوم پورے ملک میں علم وتحقیق کی کائنات میں تعداد اور استعداد، تعمیر وتعلیم میں اہل حق کا مقتدر مسلمہ ادارہ مانا جاتا ہے۔

مزمل بھائی اس کے طالب اول اور بعد میں اسکی تعمیر وتاسیس میں معمار اول کی حیثیت رکھتے ہیں۔

موصوف کشمیری النسل ہیں اور ان کے آباواجداد مقبوضہ کشمیر میں قدیم زمانے میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے بعد میں ان کا گھرانہ ہندوستان میں امرتسر اور پھر پاکستان بننے کے بعد پہلے پشاور کچھ عرصہ تک آباد رہے۔ مزمل بھائی کی پیدائش نانک پورہ پشاور کی ہے اور کچھ عرصہ وہاں رہنے کے بعد ان کا گھرانہ کراچی منتقل ہوا کراچی میں مختلف جگہ رہنے کے بعد میرے زمانہ گلشن میں یہ حضرات پانچ نمبر B/92 کے ایک بنگلے میں رہائش پذیر تھے یہ ۴۰۰ گز پر ڈبل اسٹوری مکان تھا مزمل بھائی اور ان کے بڑے بھائی محترم تجمل صاحب اور چھوٹے بھائی مدثر اقبال ہر تینوں اس عاجز کے درس اور خدمت میں آتے رہتے تھے۔ بعد میں پتہ چلا کہ ان کے والد صاحب خواجہ محمد حسن مرحوم جامع مسجد احسن کے صف اول کے نمازی تھے یہ بزرگوں کا ایک نمونہ اور سلف صالحین کے طرز پہ ایک خاموش طبع عابد زاہد بزرگ تھے۔

مزمل بھائی جب ترجمہ پڑھنے لگے تو ایک دن میں نے ان سے کہا کہ اگر یہی ترجمہ آپ نماز فجر کے بعد مصلی پر پڑھیں تو آپ کے ساتھ اور بھی کچھ لوگ قرآن مجید سے

استفادہ کر سکیں گے اور یوں یہ دور کئی درس ترجمہ تفسیر جامع مسجد احسن کے مصلے پر بعد نماز فجر ہونے لگا۔

اب یہ وہ درس ہے جس میں چار پانچ ہزار علماء، طلباء، رجال اور نساء، بلکہ Internet کے ذریعے تین لاکھ سے متجاوز حضرات بوقت تحریر مضمون ھذا اس سال کے ترجمہ وتفسیر میں شریک رہے ہیں۔

ترجمہ فجر کے بعد جامع مسجد احسن کے مصلے پر شروع ہوگیا، تمام نمازی تپائیوں پر قرآن مجید کھول کر بیٹھتے تھے ان میں محلے کے تبلیغی بزرگ خورشید احمد بٹ، خواجہ محمد حسن مرحوم، کبھی کبھی حاجی نور اللہ، چودھری افضل، حاجی مقبول اور ممتاز بیگ صاحب اور ان کا بیٹا اطہر بیگ اور مزمل بھائی کے چھوٹے بھائی مدثر جو اس وقت اللہ کے فضل وکرم سے دل کا کامیاب سرجن اور لائق ڈاکٹر ہیں اور محمد ہمایوں کڑوا جو اس وقت Skin جلد کی ڈاکٹری کے آخری مراحل میں تھے اور ان کے بھائی محمد ہاشم اور زبیر اور ان کے والد بزرگوار تک محلے کے بیسیوں بزرگ اور جوان ترجمہ اور تفسیر میں شریک ہوئے۔

یہ درس بلاناغہ روزانہ کم از کم ایک گھنٹہ ہوتا تھا۔ جمعہ والے دن یا کسی بھی چھٹی کے دن یہ درس ڈیڑھ گھنٹہ اور پونے دو گھنٹہ تک رہا ہے اور جب تین سال کے عظیم عرصہ میں یہ درس مکمل ہوا تو سو (۱۰۰) کے قریب محلے کے بزرگ اور نوجوان اس میں شرکت فرماتے تھے۔

مزمل صاحب کے گھر پر یوم الجمعہ کو ترجمہ وتفسیر کی تکمیل کی خوشی میں ایک مقتدر دعوت ہوئی جس میں استاذ محترم حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے آپ نے جمعہ کا خطاب فرمایا خطبہ اور نماز پڑھائی اور نماز کے بعد ترجمہ وتفسیر کے

پڑھنے والوں کے سروں پر شرف واعزاز کے رومال اور عمامے باندھے اور ان کو اور شرکت کرنے والے حضرات کو اعلیٰ نسخہ تفسیر شیخ الہند جسے تفسیر عثمانی کہتے ہیں ھدایا میں تقسیم کردی گئیں حضرت مفتی صاحب انتہائی محظوظ تھے اور فرمایا کہ

"ہماری دانست میں اس کام کی مثال نہیں جس میں عوام کو قرآن مجید کا ترجمہ وتفسیر، فقہ کی کتاب نور الایضاح اور علامہ شمس الدین ذہبی کی الطب النبوی اور شیخ سعدی شیرازی کی گلستان اس شان وشوکت سے پڑھائی جاتی یہ سب اللہ بزرگ وبرتر کا احسان ہے"۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی
منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

تفسیر شیخ الہند کا تذکرہ

ہندوستان کے اکابر علماء میں سے حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے یہ دار العلوم دیوبند کے فاضل اور کامیاب مدرس تھے۔ کمالات علم میں فقیہ الہند مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حجت الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے لائق فائق شاگرد تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرح لائق ترین شاگردوں کی ایک جماعت دی تھی جن میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی، مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری اور بطل حریت مولانا عبید اللہ صاحب سندھی، مولانا محمد صادق کھڈوی اور

اسیر مالٹا مولانا عزیر گل رحمۃ اللہ علیہم جیسے عمائدین اور اساتیر علم تھے۔

حضرت شیخ الہند کے بڑے کارناموں میں دار العلوم دیوبند جیسے عظیم ادارے میں چشمہ فیض جاری کرنے کے علاوہ ہندستان سے انگریز کو نکالنے میں اور آزادی ہند کی تحریک چلانے میں آپ کی خدمات جلیل القدر ہیں۔ چنانچہ آزادی ہند کی تحریک کے نتیجے میں آپ شریف مکہ کی شرارت سے مکہ مکرمہ سے گرفتار کر لئے گئے اور مالٹا میں انگریز کے یہاں قید گزارنے لگے اس قید و بند کے زمانے میں آپ کو یہ جامع فکر دامن گیر ہوئی کہ امت کو قرآن کی طرف متوجہ کرنا اور انہیں آپس کے اختلافات سے بچانا ضروری ہے تاکہ مسلمان متحد ہو کر انگریز کو ہندوستان سے نکال دیں۔

چنانچہ آپ نے قرآن مجید کا مکمل ترجمہ اور اس کی تفسیر لکھنے کا اہتمام فرمایا ترجمہ تو پورا ہو چکا ہے البتہ تفسیر سورہ فاتحہ، سورہ بقرہ، اور سورۃ النساء کی مکمل ہو چکی تھی آل عمران کی تفسیر ضائع ہو چکی ہے یہ ترجمہ شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کا حسین قالب اور عمدہ ترجمانی ہے کیونکہ شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ علی التحقیق اردو زبان کا پہلا ترجمہ ہے اور بحکمت تکوینی وہ قرآن کا فصیح بلیغ قواعد عربیہ کے مطابق اور ہر طرح مکمل اور بہترین ترجمہ واقع ہوا ہے جیسا کہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے خود مقدمہ فوائد میں لکھا ہے لیکن زمانہ کے گزرنے سے اس اردو کے بعض الطراف متروک ہو گئے اور ان کے جاننے میں بعد والوں کو دقت پیش آئی۔

دوسری طرف خود دہلی میں بعض ایسے تراجم ہوئے جن میں علمی اور فنی غلطی پائی گئی ان کی اصلاح اور تنقیح بھی ضروری تھی جن کو حضرت شیخ الہند تراجم دہلویہ سے یاد کرتے ہیں

اندر میں حالات حضرت شیخ الہند کا ترجمہ اور تین سورتوں پر فوائد تفسیر اپنی مثال آپ ہے کاش کوئی اردو دان یا لائق عالم اسے توجہ اور التفات سے مطالعہ کرے تو اسے اندازہ ہوگا کہ کتنے قیمتی یواقیت اور لعل اس میں پروئے گئے ہیں خاص کر فوائد تفسیر ربط بین الایات امام رازی کا ہم پلڑہ اور اکثر جگہ ان سے بہتر واقع ہوا ہے

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ

سورۂ آل عمران اور مائدہ سے آخر قرآن تک تفسیر کا تکملہ حضرت شیخ الہند کے مایہ ناز شاگرد اپنے وقت کے محدث مفسر متکلم اور خطیب پاکستان سابق شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکمل کیا ہے جو اپنے شیخ کے نقش ثانی اور ان کے علوم وکمالات کے سچے جانشین اور یادگار تھے یہ تکملہ فوائد تفسیر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے اپنے استاذ حضرت شیخ الہند کے فوائد کے لئے لکھا ہے۔

اس لئے اس تفسیر کا نام تفسیر شیخ الہند موزون ہے اس کو تفسیر عثمانی کہنا موضوع سے بے خبری، آداب سے بے بہری اور نہایت نامناسب اقدام ہے۔

" ان فی ذلک لعبرۃ لا ولی البصار "

نماز عصر کے بعد درس تفسیر کا آغاز

محمد علی نام کا ایک Student کالج کا شوق وذوق سے مسجد میں آنے لگا تھا ایک دن اس نے پوچھا کہ ایسی کوئی کتاب بتا دیں جس کے پڑھنے سے ایمان مضبوط ہو جائے تو میں نے کہا کہ وہ کتاب قرآن کریم ہے جس کو اللہ تعالی نے ھدی للمتقین اور

ھدی اللناس بنا کر بھیجا ہے محمد علی نے خواہش ظاہر کی کہ اگر فجر کے علاوہ اور کوئی وقت ہو تو میرے ساتھ بہت سارے کالج کے لڑکے بھی ترجمہ اور تفسیر پڑھنے کے لئے تیار ہیں۔

چنانچہ اس کے لئے نماز عصر کے بعد ترجمہ و تفسیر پڑھانا تجویز ہوا کیونکہ فجر کا درس ایک عالمگیر درس بن چکا تھا اور اس میں شرکاء کی تعداد سو (۱۰۰) کے قریب ہو چکی تھی اس لئے ان کالجی لڑکوں کے لئے عصر کے بعد قرآن کا ترجمہ اور تفسیر پڑھانا شروع کر دیا۔ چنانچہ یہ درس بھی نہایت ہی آب و تاب سے شروع ہوا اور ان Student کے علاوہ نمازی حضرات بھی معمول کے مطابق بیٹھنے لگے اور نماز فجر والے درس کی طرح تپائیاں بچھیں اور سب کے سامنے قرآن مجید رکھا جاتا اور ہر شخص قرآن مجید کھول کر سبق پڑھنے کی طرح اس کی پابندی کرتا۔ یہ درس تقریباً دس برس جاری رہا اور دس سال میں تین مرتبہ ختم ہوا۔

محمد علی کے علاوہ ڈاکٹر اویس، معظم علی، امتیاز صدیقی، محمد احمد، ایاز، سید صبا احسن مرحوم، اور صبح کے درس میں سے اطہر بیگ اور ڈاکٹر مدثر وغیرہ نمایاں شرکاء میں سے تھے جو کہ اس درس میں بھی شریک ہونے لگے۔

واضح رہے کہ نماز عشاء کے بعد نور الایضاح اور علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی الطب النبوی کا بھی درس ہوتا تھا۔ جس میں صبح کے درس والے اور عصر کے درس والے سب باقاعدہ شریک ہوتے تھے۔ ان درسوں کی برکت سے معظم علی کو مفتی کہا جاتا تھا کیونکہ اس کو فتاوی بہت اچھے یاد تھے اور اس کے لئے فتاوی رشیدیہ، امداد الفتاوی، اور فتاوی دار العلوم دیوبند قدیم وہ ہمہ وقت مطالعہ کرتا تھا اور پیش آنے والے سوال کا تسلی بخش جواب دیتا۔ جبکہ ڈاکٹر اویس سب میں کم عمر طالب علم تھے اور وہ نور الایضاح زبانی یاد کر

تے تھے نور الایضاح کی نہایت مشکل اور طویل عبارات اس کی نوک زبان پر ہوتیں اور یہ سب درس کے ذوق و شوق کے نظارے تھے

یہاں تک بڑھ گئے وارفتگیٔ شوق کے نظارے
حجابات نظر سے پھوٹ نکلا حسن جانانا

یہی لڑکے باقاعدگی سے اکثر نمازوں میں شریک ہوتے تھے رمضان شریف کے آخری عشرے میں اس عاجز و فقیر کے ہمراہ اعتکاف کرتے تھے اور رائیونڈ کے سالانہ تبلیغی اجتماع میں ساتھ جاتے تھے۔ کیونکہ اس طرح ان کی تربیت اور اصلاح مقصود تھی وقتاً فوقتاً مناسب اور موزون کتب بھی تقسیم ہوتی تھیں۔ چنانچہ فضائل صدقات اور تبلیغی نصاب کے علاوہ محقق العصر حضرت مولانا سرفراز خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بیشتر کتب جیسے راہ سنت تسکین الصدور، عبارات اکابر، گلدستہ توحید اور سوانح مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور شوق حدیث وغیرہ، ان کو مختلف اوقات میں ھدایا میں دی جاتی تھیں۔

''وفی ذلک کفایة لمن کان طالباً للحق''